بیادگار: حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

جلد نمبر ۶۳

ماہنامہ

رضوان

لکھنؤ

شمارہ نمبر ۸

اگست ۲۰۱۹ء
August 2019

سالانہ زر تعاون

برائے ہندوستان :	۳۰۰ روپے
غیر ملکی ہوائی ڈاک :	۴۰ امریکی ڈالر
فی شمارہ :	۳۰ روپے
لائف ٹائم خریداری :	۸۰۰۰ روپے

نوٹ

خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر اور مکمل صاف پتہ ضرور لکھیں، اگر مدت خریداری کے ختم ہونے کے وقت کی پرچی پتہ کی چٹ پر لگی ہو تو براہ کرم مدت خریداری ختم ہوتے ہی رقم ارسال فرمائیں۔ (منیجر)

ایڈیٹر

محمد حمزہ حسنی

مجلس ادارت

میمونہ حسنی — عائشہ حسنی
جعفر مسعود حسنی — محمود حسن حسنی

ڈرافٹ پر RIZWAN MONTHLY لکھیں

زر تعاون اور خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ رضوان
۱۷۲/۵۴، محمد علی لین گوئن روڈ لکھنؤ
پن کوڈ: ۲۲۶۰۱۸ - موبائل: ۹۴۱۵۹۱۱۵۱۱

Rizwan (Monthly)
172/54, Mohammad Ali Lane
Gwynne Road Lucknow
Pin:226018- Mobile: 9415911511

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کے لیے نظامی آفسیٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

کمپوزنگ: ناشر کمپیوٹر، لکھنؤ۔ فون: 9792913331

E-Mail : azizpaitepuri@gmail.com

فہرست مضامین

- اپنی بہنوں سے .... مدیر 5
- حدیث کی روشنی میں .... امۃ اللہ تسنیم 6
- بچوں کی تعلیم وتربیت میں عورت کا کردار .... مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ 8
- موجودہ حالات میں مسلمانوں کیلئے لائحہ عمل .... مولانا خالد سیف اللہ رحمانی 14
- زکوۃ کی فضیلت واہمیت .... مولانا ندیم الواجدی 17
- شادی میں اسراف اوراس کا انجام .... صبا افروز بنت عبدالعزیز 20
- مجالس خیر: حلال وحرام کی تمیز .... حضرت مولانا اشراف علی تھانویؒ 22
- انسان کی سب سے بڑی الجھن کا حل .... محمد تہامی بشر علوی 26
- نیک اعمال کے اجر میں اخلاص کی اہمیت .... مفتی منیب الرحمٰن 29
- مسلم حکمراں، امت اوردین کے غدار .... شہنواز فاروقی 32
- سوال وجواب .... مفتی راشد حسین ندوی 37
- میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟ 38
- آخری صفحہ .... مولانا قمرالزماں ندوی 41-42

اپنی بہنوں سے

ذیقعدہ کا مہینہ شروع ہوگیا ہے اللہ کے گھر جانے والوں کے نصیب جاگ چکے ہیں۔ حج کے مبارک سفر کی تیاریاں زور وشور سے جاری ہیں، مدینہ منورہ کا خیال دل کو زندہ کر رہا ہے، ایک مسلمان مرد وعورت کے لئے یہ سفر اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہے جس کی تمنا بچپن سے ہی ہوتی ہے۔ بچہ اپنے گھر میں اپنے ماں باپ سے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی باتیں سنتا ہے تو اس کے لاشعور میں یہ تمنا کہ وہ بھی مکہ مدینہ کی زیارت کرے انگڑائیاں لینے لگتی ہے اور وہ تصور میں مکہ مدینہ کو دیکھنے لگتا ہے اور اسی وجہ سے اس کے اندر ایمان کی شمع روشن ہو جاتی ہے اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کونپل پھوٹنے لگتی ہیں، یہ دولت جو اسے حاصل ہوئی ہے وہ دنیا کی سب سے قیمتی دولت ہوتی ہے جو پوری زندگی اس کے کام آتی ہے اور دین پر چلنے کی راہ ہموار کرتی ہے۔

ہم اپنے بہن بھائیوں کو دلی مبارکباد دیتے ہیں جو حج کے مبارک سفر پر جا رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بخیر وعافیت لے جائے اور بخیر وعافیت واپس لائے اور ان کے اس مبارک سفر کو قبول فرمائے اور ان پر اپنے انعامات کی بارش فرمائے۔ آمین

اس مبارک سفر کی جو ذمہ داریاں ہیں ہمارے مسافر بہن بھائیوں کو ان کا پوری طرح خیال رکھنا چاہئے۔ پہلے تو اپنی نیت خالص اللہ کے لئے درست رکھنا چاہئے کہ حج کا فریضہ ادا کرنے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا کے لئے ہم اپنے گھر سے نکل رہے ہیں اور دعا سے خاص تعلق رکھنا چاہئے اور ایک بھکاری کی طرح ہر وقت اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہنا چاہئے۔ اپنے لئے بھی اور اپنے والدین، بہن بھائیوں، اولاد اور تمام رشتہ داروں اور عام مسلمانوں کے لئے بھی، اس میں کوتاہی نہ کرنا چاہئے۔

حدیث کی روشنی میں

امۃ اللہ تسنیم

غیبت میں دُعا کرنے کا بیان

وَالَّذِيْنَ جَاۤءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ۔ (حشر: ع-1) ”اور ان کے لئے جو ان کے بعد آئے کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں۔“

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ۔ (محمد-ع-2) ”اپنے لئے اور مسلمان مرد اور عورتوں کے لئے گناہوں سے بخشش چاہو۔“

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ۔ (ابراہیم، ع-2) ”اے ہمارے پروردگار مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور سب ایمان والوں کو حساب کے دن بخش دیجئے۔“

دوسروں کے لئے اپنے لئے دعا میں

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے جو مسلمان بندہ اپنے مسلمان بھائی کی غیبت میں اس کے لئے دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے کہ تجھ کو بھی یہی بھلائی ملے جو تو اس کیلئے مانگ رہا ہے۔ (مسلم)

قبولیت دُعا کا سبب

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان بندہ کی دعا قبول ہوتی ہے جو اپنے مسلمان بھائی کے لئے اس کے پیٹھ پیچھے دعا کرتا ہے۔ ایک فرشتہ اس پر مامور رہتا ہے جب وہ اپنے بھائی کی غیبت میں کوئی دعا کرتا ہے تو وہ فرشتہ آمین کہتا ہے اور کہتا ہے کہ یہی بھلائی اس کو بھی عطا کر۔ (مسلم)

احسان کا بدلہ

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی کے ساتھ کوئی احسان کیا گیا اور وہ احسان کرنے والے کے سامنے جزاک اللہ خیرا کہہ دے تو اس نے احسان کرنے والے کی پوری ثنا کر دی۔ (ترمذی)

اولاد کے حق میں بددُعا کی ممانعت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنی جانوں، مالوں اور اولاد کو بددعا مت دو (جیسے بعض لوگ غصہ میں آ کر کہہ دیتے ہیں تیرے ہاتھ ٹوٹیں، تیرا ناس ہو وغیرہ) ایسا نہ ہو کہ قبولیت کی ساعت ہو تو وہ تمہاری بددعا قبول ہو جائے۔ (مسلم)

سجدہ میں دُعا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سجدہ کی حالت میں بندہ اپنے رب سے بہت قریب ہو جاتا ہے سو تم سجدہ میں کثرت سے دعا کیا کرو۔ (مسلم)

قبولیت کے موانع

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں۔ اگر جلدی نہ کرو اور یہ نہ کہو کہ میں نے دعا کی اور قبول نہ ہوئی۔ (بخاری۔ مسلم)

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ بندہ کی دعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے جب تک کہ وہ دعا گناہ کی اور قطع رحمی کی نہ ہو اور یہ کہ جلدی نہ کرے، لوگوں نے عرض کیا جلدی کیسی، فرمایا یہ نہ کہے کہ میں نے دعا کی اور قبول نہ ہوئی، پھر تھک جائے اور چھوڑ دے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے عرض کیا کون سے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ فرمایا پچھلی رات کو اور ہر فرض نماز

کے بعد۔(ترمذی)

قبولیت یا اس کا بدل

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان کی دعا اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اس کی منہ مانگی مراد عطا فرماتا ہے۔اور اگر کسی مصلحت سے نہیں دیتا تو اس کی کسی آنے والی مصیبت کو دور فرما دیتا ہے مگر گناہ اور قطع رحمی کی دعا نہ ہو۔ایک آدمی نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب تو ہم بہت کچھ مانگ لیں گے۔آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ عطا فرمانے والا ہے۔(ترمذی)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اگر منہ مانگی مراد نہ ملی تو اتنا ہی اجر اس کے لئے رکھ چھوڑتا ہے۔

مصیبت کے وقت کی دُعا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رنج ومصیبت کے وقت یہ کلمات ادا فرماتے تھے "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْعَظِیْمُ الْحَلِیْمُ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ رَبُّ الْاَرْضِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ۔" (ترجمہ: اللہ بزرگ بردبار کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ بڑے عرش کے مالک کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ تعالیٰ زمین وآسمان اور عزت والے عرش کے مالک کے سوا کوئی معبود نہیں۔

(بخاری۔مسلم)

کھانے میں کھلی برکت

حضرت ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اصحاب صفہ بہت غریب لوگ تھے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرے کو شریک کرے،اور جس کے پاس چار کا کھانا ہو وہ پانچویں یا چھٹے کو شریک کرلے۔تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تین شخصوں کو لے گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دس آدمیوں کو لے گئے پھر حضرت ابوبکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات کا کھانا کھایا اور وہاں ٹھہرے رہے تاکہ عشاء کی نماز پڑھ لیں۔عشاء کی نماز کے بعد کچھ ٹھہر کر گھر گئے بیوی نے کہا کون سا ایسا سبب مانع تھا کہ اب تک مہمانوں سے غافل رہے۔حضرت ابوبکرؓ نے کہا کیا تم نے اب تک ان کو کھانا نہیں کھلایا۔بیوی نے کہا میں نے کھانے پر بہت اصرار کیا مگر وہ نہ مانے تمہارا انتظار کرتے رہے۔حضرت عبدالرحمٰنؓ کہتے ہیں کہ میں چھپ گیا تھا حضرت ابوبکرؓ نے مجھ کو بہت برا بھلا کہا اور پکارا اے بیوقوف،پھر مہمانوں سے کہا کھاؤ، اللہ نہ مبارک کرے اور واللہ میں نہ کھاؤں گا۔حضرت عبدالرحمٰنؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر میں ایک لقمہ اس برتن سے اٹھاتا تھا تو کئی حصہ زیادہ ہوجاتا تھا،سب نے پیٹ بھر کر کھالیا، پھر بھی کھانا پہلے سے زیادہ تھا۔حضرت ابوبکرؓ نے یہ منظر دیکھ کر بیوی سے کہا ''اے بنی فراس کی بہن یہ تو عجب معاملہ ہے'' ''وہ بولیں'' اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک یہ کھانا تو پہلے سے تین گنا زیادہ ہوگیا۔پھر حضرت ابوبکرؓ نے بھی کھایا اور کہا وہ قسم تو شیطان کی طرف سے تھی پھر ایک لقمہ کھایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اٹھا لے گئے۔ان دونوں ہمارے اور ایک قوم کے درمیان ایک معاہدہ (یعنی صلح کا) اس کی مدت ختم ہوچکی تھی۔ہم بارہ آدمی الگ ہوگئے اور ہر ایک کے ساتھ کئی کئی آدمی تھے۔اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ہر ایک کے ساتھ کس قدر لوگ تھے اور سب نے اس کھانے میں کھایا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے قسم کھالی کہ ہم نہ کھائیں گے تو بیوی نے بھی قسم کھالی اور مہمانوں نے بھی قسم کھالی کہ جب تک ابوبکرؓ نہ کھائیں گے ہم بھی نہ کھائیں گے۔جب حضرت ابوبکرؓ نے یہ رنگ دیکھا تو کھانا منگایا خود بھی کھایا اور کھلایا اور کہا یہ قسم تو شیطان کی طرف سے تھی اور عجیب بات تھی کہ ایک لقمہ اٹھاتے تھے تو کئی لقمے اور زیادہ ہوجاتے تھے گویا نیچے سے پیدا ہورہے تھے۔حضرت ابوبکرؓ نے بیوی سے کہا اے بنی فراس کی بہن یہ معاملہ تو عجیب ہے۔بیوی نے کہا اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک یہ کھانا تو جتنا ہم کھاچکے ہیں اس سے بھی زیادہ ہوگیا،پھر انہوں نے کھایا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔

(بخاری۔مسلم)

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

بچوں کی تعلیم و تربیت میں عورت کا کردار

ماؤں اور پرورش کرنے والی خواتین کی ذمہ داریاں

اسلام کے دو ایسے میدان ہیں، جن میں خواتین کو سبقت حاصل ہے اور وہ ان میدانوں میں جو کارنامہ انجام دے سکتی ہیں اور اس کے ذریعہ سے امت اسلامیہ کا صرف نسلی تسلسل ہی نہیں، اعتقادی، اخلاقی، ذہنی اور تہذیبی تسلسل کے قائم رہنے میں جو بنیادی کردار ادا کر سکتی ہے، وہ انہیں کا حصہ ہے اور ہر دور میں ان کے نہ صرف تعاون بلکہ اس کی ذمہ داری قبول کرنے اور اس کو سرانجام دینے کے بغیر یہ معنوی تسلسل (جو اس امت کی اصل قیمت اور اس کی ضرورت و افادیت کا ثبوت ہے) قائم نہیں رہ سکتا۔

یہ دو میدان ہیں، ایک ہی نسل کی دینی تعلیم و تربیت کا ابتدائی کام اور اس کے قلب و ذہن پر اسلام کا نقش قائم کرنا اور اس کو عمیق و مستحکم بنانا، دوسرے اسلامی تہذیب و معاشرت کی حفاظت اور نئی نسل کو غیر اسلامی تہذیب و معاشرت کے اثرات سے بچانا ہے۔

ہماری زبان و محاورہ میں جب یہ بتانا ہوتا ہے کہ فلاں عادت، یا یقین، یا خوبی، یا کمزوری دل و دماغ میں پیوست ہوگئی ہے اور اب وہ نکالی نہیں جا سکتی، تو کہا جاتا ہے کہ "یہ چیز گھٹی میں پڑی ہوئی ہے" اور ظاہر ہے کہ یہ گھٹی ماں اور گھر کی شفیق اور مربی بیبیوں کے ذریعہ ہی بچوں کو ابتدائے شعور میں گھر ہی میں دی جا سکتی ہے، ماہرین تعلیم و تربیت اور علمائے نفسیات نے اس حقیقت پر بہت زور دیا ہے کہ بچہ کے ذہن کی سادہ تختی پر جو ابتدائی نقوش پڑ جاتے ہیں، وہ کبھی نہیں مٹتے، خواہ ان کو مٹا ہوا سمجھ لیا جائے، لیکن درحقیقت وہ مٹتے نہیں، دب جاتے ہیں اور وقت پر ابھرتے ہیں، اس حقیقت کو تسلیم کر لینے کے بعد ماؤں اور بچہ کی تربیت کرنے والیوں کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے، جو اس سادہ تختی پر آسانی کے ساتھ اچھے سے اچھے نقش بنا سکتی ہیں اور جن کو کوئی طاقت اور کوئی تعلیم و تربیت آسانی کے ساتھ مٹا نہیں سکتی۔

ماؤں اور پرورش کرنے والی خواتین اور گھر کی بیبیوں کا، جو رشتہ میں بزرگ اور گھر کے ماحول میں اثر انداز قابل احترام ہوتی ہیں، اتنا ہی فرض اور ذمہ داری نہیں کہ وہ بچوں کو اللہ اور رسول کا نام سکھا دیں، کلمہ یاد کرا دیں اور جب وقت آئے تو نماز سکھا دیں، یہاں تک کہ قرآن شریف پڑھنا بھی ان کو آ جائے اور اردو پڑھنے کے قابل ہو جائیں اور رسم الخط کی اس فرماں روائی کے دور میں جب لاکھوں مسلمان بچے اور بچیاں اردو کی ایک سطر پڑھنے اور اپنا نام تک لکھنے کے قابل نہیں ہوتیں، بلکہ اپنا نام زبانی بھی لینے اور بتانے کی ان میں صلاحیت نہیں ہوتی، جس کی درجنوں مثالیں انٹرویو کی مجلسوں، اسکولوں میں داخلے اور ملازمت کی درخواست دینے کے موقع پر سامنے آ چکی ہیں، جو زیادہ تر گھر کے اندر اردو لکھنے پڑھنے کی صلاحیت پیدا ہونے اور اسلامی تاریخ، انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرامؓ، ازواج مطہراتؓ، اہل بیتؓ، اور پیشوایانِ اسلام کے ناموں تک واقف کرانے کے کام سے غفلت اور سستی کا نتیجہ ہے۔

اس ضروری کام کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ ان بچوں کو کفر و شرک سے نفرت، توحید سے محبت، اس پر فخر، اسلامی نسبت اور مسلمان ہونے اور کہلانے پر مسرت و عزت کا احساس، دین کی حمیت و غیرت، خدا کی اطاعت اور خدا کے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق اور شیدائیت کی حد تک محبت، گناہوں سے نفرت اور گھن، دنیاوی ترقی ہی کو زندگی کا مقصد اور کامیابی اور عروج کی دلیل سمجھنے سے

حفاظت، راست بازی اور راست گوئی کی عادت، خدمت وایثار کا شوق، خدمت خلق اور وطن دوستی کا جذبہ پیدا کرنا بھی ان کی ذمہ داری اور انہیں کے کرنے کا کام ہے اور اگر یہ کام بچپن میں اور گھروں کے اندر نہیں ہوا، تو دنیا کی بڑی سے بڑی دانش گاہ اور سرکاری یا عالمی پیمانہ پر کوئی تربیت گاہ نہیں کرسکتی اور اس مقصد میں کامیابی نہیں ہوسکتی۔

یہ بھی صفائی سے کہنا پڑتا ہے کہ جب تک مسلمان بچوں کو بت پرستی اور کفروشرک سے خواہ وہ کسی بیرونی، ملکی دیومالا (Mythology Text Books) کے ذریعہ سے ہو، یا ریڈیو، ٹی وی لیکچروں کے ذریعہ ہو یا خود مسلمانوں کے دین سے ناواقفیت اور دنیادار اور پیشہ ور گروہوں کے اثر سے ہو، اس طرح نفرت اور گھن نہ پیدا ہو، جیسی گندگی اور بدبودار چیزوں سے ہوتی ہے، تو ان کے ایمان کی حفاظت نہیں ہوسکتی اور ان کے صحیح العقیدہ مسلمان ہونے کی ضمانت نہیں دی جاسکتی، یہ تربیت، یہ محبت و نفرت، جو طبیعت کا خاصہ اور حواسِ خمسہ کے ساتھ ایک نیا خاصہ بن جائے، مسلمان گھرانوں کی میراث اور مسلمان نسلوں کے اعتقادی و معنوی تسلسل کا راز رہا ہے اور جب تک یہ کام گھروں میں اور ماؤں اور گھر کی بڑی بہنوں اور بزرگ خواتین کے ذریعہ انجام نہیں پائے گا، بڑے سے بڑے پراثر مواعظ، مؤثر دینی کتابیں اور مدارس دینیہ عربیہ کے لائق ترین، اساتذہ کے ذریعہ بھی اس میں کامیابی حاصل ہونی مشکل ہے۔

لڑکیوں کی پرورش و تربیت میں مقابلہ اور حقوق مساوات

اسلام کے اثر سے لوگوں کے دل و دماغ میں انقلاب عظیم واقع ہو چکا تھا، وہ لڑکی جو پہلے خاندانوں کے لئے اور اشراف ورؤسائے قوم کی نگاہ میں باعث ننگ وعار تھی (اور بعض قبیلوں میں اس کو زندہ درگور کردینے تک کا رواج تھا) آج ایسی عزیز و محبوب بن چکی تھی جس کی پرورش اور تربیت کے لئے آپس میں مقابلہ کی نوبت آجاتی تھی، مسلمان سب برابر تھے اور مساویانہ حقوق رکھتے تھے، کسی کو کسی پر اگر فوقیت تھی تو کسی فضیلت علمی و عملی اور کسی معقول بنیاد پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے واپسی کا قصد کیا تو سیدنا حمزہؓ کی چھوٹی بچی ''امامہ'' چچا چچا پکارتی ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہولی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے لے لیا اور حضرت فاطمہؓ کے حوالے کیا اور کہا کہ دیکھو! یہ چچا کی لڑکی ہے، اب حضرت علی، زید، جعفر رضی اللہ عنہم کے درمیان اس مسئلہ پر کشمکش ہونے لگی، حضرت علیؓ نے کہا کہ اسے میں لیتا ہوں، یہ میری چچازاد بہن ہے، حضرت جعفرؓ نے کہا کہ میری بھی چچازاد بہن ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے، حضرت زیدؓ نے کہا (اسلام کے رشتہ سے) یہ میری بھتیجی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر کے حق میں فیصلہ دیا کہ چونکہ بچی کی خالہ ان کے گھر میں ہے اور خالہ ماں کی جگہ ہوتی ہے (اس لئے اس کو وہاں زیادہ آرام ملے گا)۔ حضرت علیؓ سے آپ نے بطور دلداری فرمایا، ''تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں'' حضرت جعفرؓ سے فرمایا ''تم سیرت وصورت دونوں میں مجھ سے مشابہ ہو'' ''حضرت زیدؓ سے ارشاد فرمایا کہ: ''تم میرے بھائی ہو اور میرے مولی ہو۔''

مسلمان معاشرہ میں عورت کا احترام اور بچوں کی تعلیم و تربیت میں اس کا ہاتھ

مسلمان گھروں میں ہر دور میں عورت احترام، عزت کی نظر سے دیکھی جاتی رہی ہے، عموماً گھر کا سارا نظم ونسق اس کے حوالے ہوتا ہے، اس کو ملکیت، خرید وفروخت کے اختیارات اور بہت سے قانونی حقوق حاصل ہیں، چھوٹی عمر میں بچوں کی تعلیم و تربیت بالعموم انہیں کی زیرنگرانی ہوتی تھی، شرفاء کے یہاں اور قدیم خاندانوں میں کوئی نہ کوئی پڑھی لکھی خاتون یا بڑی بوڑھیوں اور بچیوں کو قرآن شریف اور دینیات کی تعلیم دیتی تھیں اور محلہ ٹولہ اور پاس پڑوس کے بچے اور بچیاں ان کے پاس پڑھنے آتی تھیں، یہ اچھا خاصا مکتب یا چھوٹا موٹا مدرسہ بن جاتا تھا، ابھی تک کہیں کہیں اس کا دستور ہے، تعلیم کے ساتھ وہ بچیوں کو سینے، پرونے، کشیدہ کاری، کھانے پکانے اور خانہ داری کی بھی تعلیم دیتی تھی۔

علم حاصل کرنا مرد و عورت پر فرض ہے

میری عزیز بہنو اور بیٹیو! مجھے بہت مسرت ہے کہ میں یہاں آکر اس تعلیمی سرگرمی کے نتیجہ کو دیکھ رہا ہوں جو خاص طور پر

ہماری بچیوں کے لئے امت کی بیٹیوں کے لئے جس کا انتظام کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جیسے ایک گھرانہ بغیر بیبیوں کے ناقص ہی اور اس کو گھرانہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے ایسے ہی امت کا بھی حال ہے کہ اگر اس میں صرف تعلیم اور ترقی اور فہم اور سمجھ، اخلاق اور تہذیب یہ صرف مردوں میں محدود رہی تو پھر اس امت کو بیدار امت اور زندہ امت کہنا مشکل ہے، اس کا اہتمام ہمیشہ کیا گیا ہے، حدیث میں فرمایا گیا ہے "طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة" علم کی طلب اور علم کی محنت کرنا، اس کا نظام دینی اور اس کا نظام اخلاقی اور اس کا نظام پرورش کا صحیح مفہوم وجود میں نہیں آسکتا جب تک کہ خود ہماری امت کی مسلمان بیٹیاں اس میں مشترک ہیں ان سے واقف نہ ہوں، یہ ایک یکطرفہ کوشش ہوگی اور یکطرفہ روش ہوگی، جس سے کوئی امت تو امت، ملت تو ملت، ایک شہر بھی اس پر گذارا نہیں کرسکتا، اس کی ضرورت ہے، اس لئے آتا ہے کہ علم کی طلب ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہے۔

گھر کا ماحول بیویوں اور بیٹیوں کا ساختہ پرداختہ ہوتا ہے

ہمارا پورا نظام معاشرت بلکہ نظام زندگی و نظام مذہبی بھی اس کے بغیر نہیں چل سکتا کہ بیبیاں اور بچیاں بھی اسلام سے واقف ہوں اور گھر میں جو کچھ ماحول ہوتا ہے وہ تو بیبیوں اور بیٹیوں ہی کا ساختہ پرداختہ ہوتا ہے، اگر گھر کے اندر اسلامی فضا نہیں ہے، دینی تعلیمات نہیں ہیں، اسلامی اخلاق نہیں ہیں تو پھر اس نسل کی اسلامی پرورش ہو ہی نہیں سکتی، اس لئے ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ اس کا ہمیشہ اہتمام رکھا گیا اور امت کا طبقہ نسواں بھی ہمیشہ نہ صرف یہ کہ علم سے واقف، بلکہ علم پھیلانے والا بھی رہا اور تذکرہ کی کتابوں میں ایسی بیویوں کے نام ملتے ہیں جو بڑی فاضلہ عالمہ تھیں اور جن کی وجہ سے خاندان کے خاندان، بلکہ اس زمانہ میں ملت کا پورا حصہ دین سے واقف تھا اور دین پر کاربند تھا، ان کے کارنامے آپ دیکھیں، بلکہ بعض خاندانوں کا ایمان بچایا ہے مستورات نے کہ انہوں نے شروع سے بچیوں کی ایسی تربیت اور اسلامی اور دینی غیرت کا اظہار کیا اور نقش کردیا اور سچ پوچھئے تو دل کی بھٹی میں، دل کی خاک میں اور دل کی کشت زار میں تخم مائیں ڈال سکتی ہیں، گھر کی مستورات ہی ڈال سکتی ہیں اور یہ تخم جب پک جاتا ہے تو پھر اس کو حکومتیں بھی نہیں اکھاڑ سکتی ہیں اور اس کی ہزارہا مثالیں ہیں کہ ماں اور بہنوں سے پڑھا ہوا سبق، ان سے سیکھا ہوا دین، ان کا بیدار کیا ہوا جذبہ بڑے بڑے مجاہدین کی استقامت اور ان کی ثابت قدمی کا ذریعہ بنا اور اگر آپ ان کی تحقیق کریں اور ریسرچ سے اور سراغ رسانی سے کام لیں تو معلوم ہوگا کہ اصل جوان میں ثبات واستقامت اور جذبہ پیدا ہوا ہے وہ ماں کا پیدا کیا ہوا ہے اور اس کی کثرت سے مثالیں ہیں کہ بڑے بڑے چوٹی کے علماء اسلام میں ایسے گذرے ہیں جن پر سب سے زیادہ ان کی ماؤں کا اثر پڑا ہے اور ان کی ماؤں نے ان کو اخیر تک اسلام پر قائم رہنے کی ہمت اور حوصلہ دیا ہے اور اس کے لئے مستقل کتابیں ہیں اور ہماری تاریخ میں مستورات کے طبقہ کی مستقل کتابیں ہیں کہ بعض اوقات انہوں نے اللہ کے راستے میں جان دینے پر آمادہ کیا اور اپنے لخت ہائے جگر کو انہوں نے خطرے میں ڈالا، ان کی ہمت بڑھائی، بلکہ ان میں غیرت پیدا کی اور دین کے لیے کیوں کام نہیں کرتے ہو؟ دین کے لئے قربان ہوجانا چاہئے اور سب کچھ قربان کردینا چاہئے، اس کی مثالیں ہماری تاریخ میں ملتی ہیں، بعض بڑے بڑے اکابر اور بڑے بڑے مجاہد پیدا ہوئے ہیں کہ اوّل اوّل ان کے اندر جو جہاد کا جذبہ پیدا ہوا، اسلام کے لئے قربانی دینے کا جذبہ پیدا ہوا اور اسلام پر نثار اور قربان ہوجانے کا حوصلہ پیدا ہوا، وہ ان کی ماؤں کی تربیت کا نتیجہ تھا کہ اکثر اہل اللہ کے حالات میں اور مجاہدین کے حالات میں اور فاتحین کے حالات میں ان کی ماؤں کا بنیادی حصہ ملے گا اور انہوں نے خود اعتراف کیا کہ سب سے پہلے ہمارے کان میں یہ بات ہماری ماں کے ذریعہ پڑی۔ انہوں نے ہمارے اندر دینی غیرت پیدا کی اور بعض موقعوں پر اپنی حمیت پیدا کرنے میں ہماری خواتین کا حصہ زیادہ ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ قبول فرمائے اور جزائے خیر دے اور جو خطرہ پیدا ہورہا ہے نئی نسل کے لئے ذہنی ارتداد کا اور ہم آگے نہیں کہتے اس سے باز رہنے میں سب سے بڑا

ہاتھ ماؤں کا ہوگا اور اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں، کہ کس کی مادر مشفقہ، کسی ماں کے فقرے نے ایک روح پیدا کردی اور قربانی دینے اور ایثار اور اپنے کو خطرے میں ڈالنے پر آمادہ کرلیا، اس کی بھی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اپنے عزیزوں کا اور رفقاء کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انشاء اللہ ایک ایسا طبقہ پیدا ہوگا جو مسلمانوں کی آئندہ نسل کی ایمانی، دینی اور اخلاقی حفاظت کا کردار ادا کرے گا اور وہ طبقہ صرف مستورات کا ہوسکتا ہے، خواتین کا طبقہ ہوسکتا ہے اور ہماری بہنوں کا طبقہ ہوسکتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو ترقی دے اور اس کو زیادہ مفید اور نافع اور فیض رساں بنائے اور ان کی محنتوں اور ان کی حفاظتی اور ان کی قربانیوں کو قبول فرمائے۔ ان کی فیاضیوں کو اور ان کی لڑکیوں کو جنھوں نے اس میں حصہ لیا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ قیام اور دوام بخشے اور اس سے زیادہ نفع پہنچائے۔

دو باتیں.. نصیحت کے طور پر

آخر میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں، دو باتیں ہیں، وصیت کے طور پر، نصیحت کے طور پر، مشورہ کے طور پر، جو کچھ بھی آپ سمجھیں، ایک تو یہ کہ آپ اپنی نیت درست رکھیں، یعنی یہاں محض اس لئے کہ آپ اپنے شوہر یا گھر کی آمدنی میں اضافہ کررہی ہیں، یقیناً یہ بات آپ کے دماغ میں نہیں ہوگی، احتیاطاً کہتا ہوں، یہ نہیں کہ بھائی ہمارے شوہر چار پانچ سو کمارہے ہیں، دو سو یہاں کے مل جاتے ہیں، چلو چھ سات سو ہوگئے، یہ نیت نہ رکھیں، آپ یہ سمجھئے کہ مسلمان بچوں اور بچیوں کی سعید روحوں کو بچانے کے لئے اور دین کے راستے پر لگانے کے لئے اللہ نے آپ کو یہ موقع دیا ہے، اپنی نیت کا روز روز نہیں تو ہفتے ہفتے مہینے مہینے جائزہ لے لیا کیجئے، نیت تعلیم کی ہے، خدمت کی ہے، عبادت کی ہے یا کمانے کی؟

دوسری بات یہ ہے کہ ان بچوں کو توحید اور خدا سے ڈرنے کا سبق ضرور دیا کیجئے، بات میں بات نکال کر، یا کسی نہ کسی بہانے سے یا کوئی واقعہ سنا کر، جس سے توحید کا عقیدہ مستحکم ہوجائے، عورتوں میں شرک بہت ہے، ذرا سی طبیعت خراب ہوجائے بچے کی اور ذرا دیر لگی تو فوراً بس فلاں مزار کی مٹی لے آؤ اور فلاں بزرگ کے یہاں جاؤ اور نذر مانو، تو عورتوں میں خاص طور پر تعلیم کی ضرورت ہے، یہ نقش ان کے دل پر بٹھا دیجئے کہ اللہ کے سوا کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا، دوسرے خدا کا خوف ان کے دلوں میں پیدا کرنے کی کوشش کیجئے جہنم کا خوف اور ڈر اور جنت کا شوق، یہ بہت کام آئے گا۔

اگر دل میں خدا کا خوف پیدا ہوگیا اور آخرت کا سوال، حساب کتاب کا یقین پیدا ہوگیا، تو یہ علم بہت کام آئے گا اور ہر موڑ پر اور ہر موقع پر یہی ہاتھ پکڑے گا اور یہی روکے گا، یہی ڈرائے گا، بس یہ دو باتیں میری وصیت یا نصیحت یا مشورے کے طور پر یا پیغام کے طور پر ہیں، آپ انہیں یاد رکھیں۔

ایک پیغام امت مسلمہ کی ماؤں کے نام

آج میں ایک سوانح نگار کی حیثیت سے کہتا ہوں، یہ کوئی تعریف کی بات نہیں، لیکن ذرا اپنی بات کا وزن پیدا کرنے کے لئے کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی حیثیت کے مطابق جو کچھ لکھنے کے موضوعات میں اور ان میں سے خاص سوانح نگاری کے موضوع پر عطا ہوا ہے اور مجھے سعادت حاصل ہے کہ میں نے بزرگان دین کی سوانح عمریاں بہت پڑھی ہیں، عربی میں بھی، فارسی میں بھی اور اردو میں بھی اور ان کے حالات کی تمام دنیا کا جن پر اتفاق ہے کہ یہ مقبولانِ بارگاہِ الٰہی تھے اور یہ امت کے ہیرے جواہرات کیا یہ ان کی توہین ہوگی؟ کہا جائے کہ امت کے مفاخر میں سے ہیں اور یہ امت کی اور دین کی صداقت کی دلیلیں ہیں، ان میں جتنے بھی بڑے نام لئے جاسکتے ہیں سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ کا نام، ہندوستان میں آیئے تو خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا نام ہے، میں انہیں دو ناموں پر اکتفا کرتا ہوں، ان دونوں کے حالات میں نے پڑھے ہیں، ان کے ان مستند ماخذوں میں، جن سے زیادہ مستند ماخذ نہیں ہوسکتے اور میرا تعلق چونکہ ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ہے اور اس کے کتب خانہ سے ہے، اس لئے مجھے ان کی کتابیں پڑھنے کا موقع ملا، جس کی بڑے بڑے فضلاء کو نوبت نہیں آتی ہے، اس کے خاص اسباب تھے، ان دونوں کے متعلق میں کہہ سکتا ہوں کہ ان پر جو بنیادی اور سب سے زیادہ اثر پڑا ہے وہ ان کی مائیں ہیں۔

سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے جب بغداد کا رخ کیا کہ وہاں آکر دینی

تعلیم بھی حاصل کریں، بغداد جو اس وقت ساری دنیائے اسلام کا صرف خلافت کا مرکز ہی نہیں تھا، بلکہ سب سے بڑا دارالعلوم، دارالعلم تھا، دارالفضل تھا، روحانیت کا مرکز تھا، چوٹی کے مرشدین، مربین وہاں پائے جاتے تھے، وہاں تعلیم کے ایسے انتظامات تھے جو کہیں اور نہیں ہو سکتے تھے اور خلافت کا وہاں سایہ تھا، یہ واقعہ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب سیدنا حضرت عبدالقادری جیلانی چلنے لگے تو ان کی والدہ نے کہا کہ دیکھو بیٹا! ایک نصیحت کرتی ہوں کہ جھوٹ کبھی نہ بولنا، چنانچہ واقعہ لکھا ہوا ہے کہ جب وہ قافلہ چلنے لگا، وہ قافلوں کا زمانہ تھا اور رہزنی بھی ہوتی تھی، راستے میں ڈاکے بھی پڑتے تھے تو چوروں کی ایک ٹولی نے قافلہ پر حملہ کیا چوروں کا گروہ جو تھا وہ ہر ایک سے پوچھتا تھا کہ تمہارے پاس کیا ہے؟ سب کہتے تھے کہ کچھ نہیں ہے، ہمارے پاس کچھ نہیں ہے اور ہم بالکل خالی ہاتھ ہیں، پھر وہ ٹٹولتا تھا اور دیکھتا تھا تو بڑی دولت ملتی تھی، وہ سب پر قبضہ کرتا تھا اور اس آدمی کی توہین بھی کرتا تھا اور سزا بھی دیتا تھا۔

چنانچہ یہی ہوتا رہا، یہاں تک کہ کچھ لوگ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور کہا کہ کچھ ہے تمہارے پاس؟ آپ نے کہا ہاں ہے، ہمارے پاس کچھ اشرفیاں ہیں، جو ہماری والدہ نے سی دی تھیں، وہ موجود ہیں، تاریخ میں لکھا ہوا ہے کہ صرف اسی ایک جملے سے وہ تائب ہو گئے کہ اوفوا! یہ لڑکا سب جھوٹ بولتے ہیں اور یہ سچ بول رہا ہے۔ کہہ سکتا تھا کہ ہمارے پاس بھی کچھ نہیں ہے اور اس کی صورت شکل سے لباس سے تصدیق ہوتی ہے کہ یہ کسی بڑے گھرانے کا لڑکا نہیں ہے، لیکن اس نے صاف کہہ دیا کہ ہمارے پاس اتنی دولت ہے، انہوں نے دولت بھی چھوڑ دی اور اپنا طریقہ بھی چھوڑا اور تائب ہوئے، یہ ایک تاریخی واقعہ ہے، آپ تقریباً ہر بزرگ کے حالات میں دیکھیں گے کہ ان کی تربیت میں سب سے بڑا حصہ ان کی ماں کا ہے، ان کی بڑی بہنوں کا، ان کے گھر والوں کا ہے۔

حضور پاک علیہ السلام سے ایسی محبت کہ جو کسی ہستی کے پاس نہ ہو، ان کے نام پر ہر آدمی کا بے چین ہو جانا اور ان کا انتہائی ادب کے ساتھ نام لینا اور اسے مبارک سمجھنا یہ سب گھر کے ماحول سے ہوتا ہے، ایسے ہی خلفائے راشدین کی عقیدت اور یہ کہ وہ مستحق تھے خلافت، کے، یہی ترتیب صحیح ہے، یہ بھی عقیدہ گھر ہی میں پیدا ہوتا ہے اور اس کے بعد برائی سے دوری اور نفرت...... یہ بھی کوئی اخلاقی تعلیم نہیں پیدا کر سکتی، یہ بھی گھر کی تعلیم پیدا کرتی ہے کسی کا دل نہیں توڑنا چاہئے اور ناانصافی نہیں کرنا چاہئے۔ کسی بزرگ یا بڑے کی بے ادبی نہیں کرنا چاہئے اور کوئی ایسا کام جو شریعت کے خلاف ہو نہیں کرنا چاہئے یہ چیزیں وہ ہیں جو کسی دلیل اور فلسفہ سے نہیں پیدا ہوتیں، یہ گھر کے ماحول سے پیدا ہوتی ہیں اور ماں باپ کے کہنے سننے سے پیدا ہوتی ہیں، ان میں سب سے بڑھ کر جو چیز ہے وہ یہ کہ شرک سے نفرت ہونی چاہئے، ہر شکل میں، کوئی بھی شکل ہو شرک کی، جس خدا کے علاوہ کسی کو قادر سمجھا جائے، متصرف فی الکائنات سمجھا جائے، مالک سمجھا جائے نفع و ضرر کا، یہ بات محض دلائل سے نہیں نکلتی، جذباتی طور پر، حسی طور پر، باطنی طور پر، اس طرح کی گھر میں باتیں ہوں، بچپنے سے ہی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے واقعات کہ آپ نے ہر قسم کے شرک کو رد کر کے آگ میں کود جانا پسند کیا، جسے خدا نے ان کے لئے رحمت بنا دیا۔

یہ واقعات اس طرح سے سنائے جائیں کہ بچے کے دل پر نقش ہو جائیں اور شرک سے نفرت ہو، پھر اللہ اور توفیق دے، تو بدعت سے نفرت ہو، اسراف سے نفرت ہو، کسی کا دل توڑنے سے نفرت ہو، آج ہمارے ملک میں کیا ہو رہا ہے؟ کیا یونیورسٹیاں؟ یہی اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم نہیں ہے؟ کیا انگریزی کا رواج نہیں ہے؟ کیا وہ لوگ نہیں ہیں جو یورپ و امریکہ جاتے رہتے ہیں اور وہاں کی ترقیاں دیکھتے رہتے ہیں، لیکن اردو زبان تھوڑی دیر کے لئے کرناٹک کے ریڈیو سے نشر کی جائے، کچھ خبریں اردو میں دی جائیں، اس پر اتنا غصہ آئے کہ اس پر چالیس آدمی قتل ہو جائیں، یہ ذہن کہاں سے پیدا ہوا؟ کہاں گئیں وہ یونیورسٹیاں؟ کہاں گئے وہ فلاسفی کے ایتھکس کے ڈپارٹمنٹ؟ کہاں گئیں وہ تصنیفات، یورپ کے بڑے بڑے اخلاق دانوں کی اور ہندوستان کے بڑے بڑے لکھنے والے سنیاسیوں کی؟ اردو زبان کے بولے جانے اور اس کے کان میں

پڑنے پر یہ سزا دی گئی کہ کئی لوگوں کا خون بہہ گیا اور حکومت کو مجبور ہو کر روکنا پڑا اور اس طرح کے جو واقعات ہیں، بچوں پر ہاتھ اٹھانا، بچیوں پر ہاتھ اٹھانا اور یہاں تک کہ وہ چیز جو زبان سے کہنے کی نہیں وہ سب ہو جانا اور یہ جو فسادات ہو رہے ہیں اس میں جو سفاکی، خونریزی اور انسانی دشمنی کی بو آتی ہے یہ سب کس کا نتیجہ ہے؟ میں صاف کہتا ہوں کہ یہ اس کا نتیجہ ہے کہ ہمارے گھروں میں مسلمانوں کے ہوں یا ہندؤں کے ہوں انہیں وہ تعلیم نہیں دی جارہی ہے، وہ ایمانی تربیت اور وہ اخلاقی تربیت نہیں کی جارہی ہے، جس سے جب بچے گودوں میں، پل کر جوان ہوں، تو ان کے ذہن میں وہی سب بیٹھا ہو اور گھٹی میں پلایا گیا ہو، آج جو کچھ کسر ہے، وہ گھٹی کی کسر ہے، آج گھٹی میں وہ چیزیں نہیں ڈالی جاتیں، گھٹی میں پاک چیزیں ڈالی جائیں، جس سے برائی سے نفرت پیدا ہو، ظلم و سفاکی سے نفرت پیدا ہو، انسان کا دل توڑنے سے آدمی کانپ جائے، اسی ملک کے فقراء و بزرگان دین گزرے ہیں، ان کے حالات پڑھیئے، یہ بیج سب سے پہلے اور شروع میں ان کے گھر میں پڑا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی ایسے خاندان پیدا کیے شرفاء کے خاندان پیدا کیے اور علماء کے خاندان پیدا کیے، جہاں شروع سے ان باتوں سے رغبت پیدا کی جاتی ہے، میں آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں کہ میرے بچپن سے جن دو چیزوں کا لحاظ رکھا گیا، میری تربیت میں میں اس کا ممنون احسان ہوں اور میں نے کاروان زندگی میں اس کو لکھا بھی ہے اور آپ سے بھی کہتا ہوں ایک تو یہ کہ کوئی حرام لقمہ نہ جانے پائے اور دوسری بات یہ کہ ہم کسی کے دل کو نہ دکھانے پائیں، آج اسی کی کمی ہے، جو کچھ دیکھتے ہیں اور اس ملک کا بگاڑ دیکھتے ہیں، وہ اور وہ اقدامات، وہ تحریکات تک جو انسانیت کے منافی ہیں، جو شرافت کے منافی ہیں، جو فطرت انسانی کے منافی ہیں، یہ سب جو کچھ ہو رہا ہے، یہ اس کا نتیجہ ہے کہ گھروں میں تعلیم ختم ہو گئی اور اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں پر انحصار رہا، اخباروں سے سیکھو جو کچھ سیکھنا ہو، کالجوں میں اور یونیورسٹیوں میں سیکھو اور پڑھو، گھر میں کوئی بات اخلاق کی ایسی نہیں کہی جاتی ہے، الاماشاء اللہ، لیکن شاید دس یا پانچ فیصدی ایسے گھر نکلیں گے جو بچپن سے عقیدہ درست کرنا، اللہ سے ڈرنا، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت پیدا کرنا اور انسان کا احترام کرنا اور جھوٹ سے فریب سے بچنے کی تعلیم دینا اور اللہ سے دعا کرنا، مانگنا، اسی کو کارساز سمجھنا اور انسان کو، کسی مذہب کا انسان ہو، کسی طبقہ اور حیثیت کا انسان ہو، اس کا دل نہ دکھانا اور اس کی مدد کرنا، یہ دو چیزیں ہیں جو اٹھ گئی ہیں، پہلے آپ دیکھیں کہ ایسے واقعات ملتے ہیں کہ تصدیق کرنا مشکل ہوتا ہے کہ بچہ اپنا کھانا دوسرے کو پیش کر دے اور کھلا دے کہ یہ زیادہ بھوکا ہے اور ایثار کے واقعات جو خانقاہوں میں ملنے چاہئے تھے یہ سب گھر کی تربیت کا نتیجہ ہے۔

عورتیں اس کا خیال رکھیں کہ نئی نسل کی تربیت کرنی ہے، اس کے عقائد بھی درست کرنے ہیں، اس کی عادتیں بھی ٹھیک کرنی ہیں اور اس کا مزاج بھی بنانا ہے، دیکھئے مزاج بنانے کی بات ہے، میں نے گھٹی کی جو بات کہی ہے ایک چیز ہوتی ہے دماغ بننا اور ایک چیز ہوتی ہے دل بننا اور مزاج بننا اصل حکومت جس کی ہے اور دنیا میں جو خیر و شر پیدا کرتی ہے وہ دماغ بننا نہیں، دماغ بنانے والے لوگوں کی میں نے تاریخ پڑھی ہے، میں نے یونان کی تاریخ پڑھی ہے، ایران کی تاریخ پڑھی ہے، انتہائی عروج کے زمانے کی کیا حالت تھی اخلاقی؟ کوئی بیان نہیں کر سکتا ہے۔

لیکن اصل میں عقائد ان کے پیوست کرنا ہے اور اچھے اور برے ہونے کا احساس فطری طور پر پیدا کرنا ہے، اس میں تکلیف کی ضرورت نہ ہو، خود بخود گھن آئے، برائی سے صرف نفرت ہی نہ ہو، میں معذرت کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس سے گھن آئے کہ کس چیز کا تم نے نام لے لیا؟ توبہ توبہ! اب آئندہ نہ کہنا۔ یعنی بچہ بچہ سے کہے، دوست سے کہے کہ تم نے اب نام لے لیا، اب آئندہ میں سن نہ سکوں گا، تم نے چوری کا نام لیا ہے، تم نے ظلم کا نام لیا، تم نے خنجر بھونکنے کا نام لیا، تم نے توہین کرنے کا نام لیا، میں سن نہیں سکتا ان باتوں کو اور ایسی عورتیں ہوں جن کو خود بھی گناہوں سے نفرت ہو اور غلط عقائد سے نفرت ہو اور یہ بھی جذبہ ہو کہ جب بھی موقع ملے اس کی نفرت اور اس کی برائی پیدا کریں گی، اللہ تعالیٰ توفیق دے، اور کامیاب بنائے۔

○○

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

موجودہ حالات میں مسلمانوں کیلئے لائحہ عمل

بعض تاریخی روایت کے مطابق عہد فاروقی ہی میں مسلمان ہندوستان میں قدم رکھ چکے تھے، وہ ایک تاجر کی حیثیت سے اس ملک میں داخل ہوئے تھے، لیکن اس وقت مسلمانوں کے اندر دعوتی جذبہ اس قدر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا کہ وہ جہاں جاتے اور جس کام کے لئے جاتے، دین حق کی امانت بھی اپنے ساتھ لے کر جاتے اور لوگوں تک اللہ کے پیغام کو پہنچاتے، مسلمانوں کا یہ گروہ جنوبی ہند کے مالا بار علاقہ میں بحیثیت تاجر وارد ہوا، اب بھی اس کے بعض شواہد موجود ہیں، پھر بنو اُمیہ کے عہد میں ہی سمندری قزاقوں کی سرکوبی اور سندھ کے باشندوں کو ظالم حکمراں سے نجات دلانے کے لئے 713ء میں محمد ابن قاسمؒ پہنچے۔ انہوں نے ظالم حکمرانوں پر قابو پایا اور مقامی باشندوں پر حسن اخلاق کے ایسے نقوش چھوڑے کہ ان کے واپس ہونے کے بعد بھی عرصہ تک لوگوں نے ان کا مجسمہ بنا کر پرستش کی، محمد بن قاسم اگرچہ فوج کے جلو میں آئے تھے، لیکن انہوں نے فولاد کی تلوار سے زیادہ اخلاق کی تلوار سے کام لیا اور اس کی وجہ سے بڑے پیمانہ پر لوگوں نے اسلام قبول کرلیا، چنانچہ سندھ کا علاقہ جو پاکستان میں ہے، اس کی غالب اکثریت اس وقت سے آج تک حلقہ بگوش اسلام ہے۔

پھر اس کے بعد 977ء میں مغرب کی طرف سے عجمی نژاد نو مسلم قبائل ہندوستان کی طرف بڑھے اور مختلف خاندانوں نے یہاں آ کر حکومت کی، یہ اگرچہ مسلمان تھے، لیکن ایک آدھ فرمانبرداؤں کو چھوڑ کر دعوتی جذبہ سے محروم تھے، انہوں نے اشاعت اسلام کے بجائے خوبصورت اور پرشکوہ عمارتوں کی تعمیر پر توجہ دی، اگرچہ اس سے عوام کو فائدہ ہوا، کیونکہ اس زمانے میں یہ مزدوروں کو روزگار فراہم کرنے کا ایک ذریعہ تھا، اسی طرح انہوں نے ملک کی بھلائی کے بہت سے کام کئے، جیسے، زراعت کو ترقی دینا، آب پاشی کا انتظام، سڑکوں کی تعمیر، مویشیوں کی پرورش کے شعبہ میں ترقی، اس زمانے کے معیار کے لحاظ سے صنعتوں کو بڑھانا وغیرہ، لیکن انہوں نے دعوتِ دین کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی، انہوں نے تمام رعایا کے ساتھ انصاف اور برابری کا سلوک کیا، اسی لئے مسلم حکمرانوں کے دور اقتدار میں بہت کم بغاوت کے واقعات ملتے ہیں، تاہم جیسا کہ حکمرانوں کا رواج رہا ہے، ان سے بعض اوقات زیادتیاں بھی ہوتی ہیں اور یہ اپنے ہم مذہب لوگوں کے ساتھ بھی ہوئی ہیں اور غیر مسلموں کے ساتھ بھی، تاہم یہ پورا دور امن وامان اور اطمینان کا دور رہا۔

مسلمانوں کے بعد انگریز آئے، انہوں نے تمام ہندوستانیوں پر بڑے مظالم ڈھائے، مگر مسلمان ان کے ظلم وجور کا زیادہ شکار ہوئے، کیونکہ وہ ان کو اپنا حریف خیال کرتے تھے، لیکن ہندؤں اور دوسرے مذہب کے ماننے والوں پر بھی ستم ڈھائے گئے، یہاں تک کہ ہندؤں اور مسلمانوں نے مل کر اور شیر وشکر ہو کر آزادی کی لڑائی لڑی، تقریباً 200 سال کی جدوجہد کے بعد انگریز اس ملک کو چھوڑنے پر مجبور ہوئے، ہر حکمراں کی خواہش ہوتی ہے کہ رعایا میں اتحاد نہ ہو، کیونکہ رعایا کا آپسی اختلاف حکمرانوں کے تخت اقتدار کو مستحکم کئے رہتا ہے، چنانچہ انہوں نے مسلمانوں اور ہندؤں کے درمیان منظم طور پر نفرت پیدا کی اور اس مقصد کے لئے مسلم دور کی تاریخ مسخ کرنے

میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، انگریزوں کے ایجنڈے کو آگے بڑھانے کے لئے ایک فرقہ پرست برہمن لابی مل گئی، جس نے آر ایس ایس کی صورت اختیار کی، اگر آر ایس ایس کی موجودہ فکر کو ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو وہ ہے، مسلم دشمنی، کیونکہ ہندوؤں کو متحد کرنے کے لئے ان کے پاس اس کے سوا کوئی اور فارمولہ نہیں ہے، آر ایس ایس 1947ء میں اپنے ایجنڈے کو بروئے کار لانا چاہتی تھی، لیکن جمہوریت پسند قد آور لیڈروں کی موجودگی کی وجہ سے اسے کامیابی حاصل نہیں ہوسکی اور گاندھی جی کے قتل نے ملک میں اس کے خلاف نفرت کی لہر پیدا کردی، مگر انہوں نے کچھ کھلے اور چھپے منصوبے بنائے، مختلف مقاصد کے لئے ادارے قائم کئے، لٹریچر مرتب کئے، پابندی سے اپنے تربیتی کیمپ لگاتے رہے، اس کے لئے انہوں نے بعض عالمی واقعات و تجربات کا مطالعہ بھی کیا، خاص کر نازی ازم اور اسرائیل کی پالیسیوں کا گہرائی سے جائزہ لیا اور اسرائیل کے نفرت انگیز شدت پسند طرز عمل کو اپنے لئے مشعل راہ بنایا، نیز اپنے چہرے کو بین الاقوامی سطح پر قابل قبول بنانے کے لئے اس کی مدد بھی حاصل کی۔

آخر وہ 70 سال کی کوششوں کے بعد قصر اقتدار کی مختلف سیڑھیوں سے چڑھتے ہوئے آج اس کے بام و در پر قابض ہوچکے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس ملک کی ہر چیز زعفرانی رنگ میں رنگ جائے، شاید اگر انسانوں کو جسمانی طور پر رنگا جاسکتا تو وہ اس سے بھی نہیں چوکتے، موجودہ صورت حال یہ ہے کہ کمیونسٹوں کا قلعہ ٹوٹ چکا ہے اور ہندوستان میں جو سیاسی پارٹیاں اپنے آپ کو سیکولر کہا کرتی تھیں، انہوں نے ہتھیار ڈال دیا ہے، اب اس وقت فرقہ واریت کے مقابلے میں کوئی سیاسی پارٹی نہیں ہے، جو کھڑی ہونے کو تیار ہو، نفرت اور تشدد کا رُخ پوری طرح اقلیتوں کی طرف ہے اور بالخصوص مسلمانوں کی طرف، کیونکہ بعض اقلیتیں تو ملک کے دستور کے لحاظ سے ہندوؤں کے زمرے میں شامل کردی گئی ہیں، رہ گئے مسلمان اور عیسائی، تو عیسائی پوری طرح اکثریتی فرقہ پرستی کے سامنے سربجود ہیں اور انہوں نے تہذیبی اور ثقافتی لحاظ سے ''ہندوتوا'' کو قبول کرلیا ہے، اس لئے اب مسلمانوں کو بظاہر تنہا ہی اس لڑائی کو لڑنا اور اپنی شناخت کو باقی رکھنا ہے، اس میں زیادہ سے زیادہ ان کو کچھ انصاف پسند ایسے لیڈروں، دانشوروں اور صحافیوں کا ساتھ مل سکتا ہے، جن کا تعلق اکثریتی فرقہ سے ہے۔

سوال یہ ہے کہ ان حالات میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے، اور مختلف میدانوں میں ان کا کیا منصوبہ ہونا چاہئے؟ اس پس منظر میں چند باتیں ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ مسلمانوں میں اپنے دین اور اپنی شریعت پر ثابت قدمی پیدا کی جائے، ہمارا یقین ہے کہ اسلام دین حق ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کا نازل کیا ہوا ابدی پیغام ہے، جو سچائی اور انصاف پر مبنی اور دنیا و آخرت کی بھلائی کا ضامن ہے، اس لئے ہمیں دین کے معاملہ میں پوری طرح ثابت قدم رہنا چاہئے، مسلمان اس سے کہیں بڑے بڑے امتحان سے گزر چکے ہیں، وقتی طور پر وہ کچھ دشواریوں سے ضرور دوچار ہوئے، لیکن ایمان پر ثابت قدمی اور دین پر جماؤ کی وجہ سے ان کی شناخت اور پہچان کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جاسکا، بلکہ دین سے ان کا تعلق اور بڑھ گیا، اور یہ عہد صحابہ سے ہوتا رہا ہے، غزوۂ اُحد کے موقع پر ابوسفیان نے مشرکین مکہ کی طرف سے مسلمانوں کو چیلنج دیا کہ وہ آئندہ سال دوبارہ بدر کے میدان میں آئیں اور مقابلہ کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیلنج کو قبول فرمایا: چنانچہ آئندہ سال آپ ستر (۷۰) مسلمانوں کے ساتھ بدر کے میدان میں پہنچے، ابوسفیان بھی مشرکین مکہ کے لشکر کے ساتھ مکہ مکرمہ سے نکلا اور ''مرالظہران'' نامی مقام تک آیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں رُعب ڈال دیا اور اس نے واپسی کا ارادہ کرلیا، مگر خیال آیا کہ اگر مسلمان بدر پہنچے اور ہم نہیں پہنچے تو بہت شرم کی بات ہوگی، اس نے ایک تدبیر کی کہ نعیم ابن مسعود اشجعی (جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) مکہ جارہے تھے، ان سے کہا: چونکہ اس سال بہت قحط ہے، اس لئے ہم واپس لوٹ جانا چاہتے ہیں، لیکن اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نکلے اور میں نہیں نکلا تو مسلمانوں کی ہمت بڑھ جائے

گی، اس لئے تم ان کو سمجھاؤ کہ وہ مقابلے پر نہیں آئیں اور اس کے بدلہ ہم تم کو دس اونٹ دیں گے، جب نعیم آئے تو دیکھا کہ مسلمان سفر کی تیاری کررہے ہیں، انہوں نے مسلمانوں سے غزوۂ اُحد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے تمہارے گھر آکر تمہارے بہت سے لوگوں کو قتل کردیا، اب اگر تم ان کی طرف جاؤ گے تو تم میں سے کوئی بچ کر واپس نہیں آئے گا، بعض مسلمان بھی ان کی اس بات سے متاثر ہوگئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں تو ضرور نکلوں گا، چاہے تنہا نکلنا پڑے: **"والذین نفس محمد بیدہ لأخرجن الیهم ولو وحدی"** (مفاتیح الغیب: ۵۷۲/۸) اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: **الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَاناً وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ۔** (آل عمران: ۱۷۳)

یہ وہ لوگ ہیں کہ جب لوگوں نے ان سے کہا: تمہارے مقابلے میں لوگ اکٹھا ہوگئے ہیں، تم ان سے ڈر کر رہو تو اس سے ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور انہوں نے کہا: ہمارے لئے اللہ ہی کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔

اس وقت بھی یہی صورتِ حال ہے کہ اسلام دشمن طاقتیں متحد ہوگئی ہیں اور وہ مسلمانوں کو خوف و دہشت میں مبتلا کرنا چاہتی ہیں، گئو کشی، جے شری رام اور وندے ماترم کہلانے کے عنوان سے جابجا مسلمانوں پر حملے کئے جارہے ہیں، نامنصفانہ قتل کے واقعات پیش آرہے ہیں، بعض جگہ مسلمانوں کا بائیکاٹ بھی کیا جارہا ہے، یہ سب مشرکین مکہ کے رویہ کے بازگشت ہے، اس طرح کے واقعات پیش آتے رہے ہیں اور پیش آتے رہیں گے، لیکن اس دین حق کے لئے اللہ کے پیغمبروں نے تکلیفیں اُٹھائیں اور ان کے رفقاء نے جان و مال کی مصیبت کو برداشت کیا، بائیکاٹ کی صعوبتوں کو سہا، لیکن ان کی زبان پر ایک ہی نعرہ رہا: **"حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ"** یہی کیفیت آج کے حالات میں بھی مسلمانوں سے مطلوب ہے، یہ بات علماء، مذہبی قائدین اور مسلم سماج کی نمائندہ شخصیتوں کو عام مسلمانوں تک پہنچانی ہوگی، انہیں ان صحابہ کی یاد دلانی ہوگی، جنہوں نے ناقابل تصور مشقتوں کو برداشت کیا، لیکن ان کے قدم میں کوئی تزلزل نہیں آیا، آج بھی برما اور چین جیسے ملکوں میں ایمان پر قائم مسلمانوں کی مثالیں موجود ہیں، اگر ہم مسلمانوں کو یہ نہیں سمجھا پائے کہ ایمان کی دولت ہماری جان اور ہماری زندگی سے بھی زیادہ عزیز ہے تو ان مشکل حالات میں ہم ایمان کی حفاظت اور حق پر ثابت قدمی کے سب سے اہم فریضہ کو ادا نہیں کرپائیں گے۔

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثابت قدمی کی دُعا فرمایا کرتے تھے: **"اللھم انی اسئلك الثبات فی الأمر والعزیمة علی الرشد"** (نسائی، عن شداد بن اوس: ۵۴/۳) حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دس باتوں کی نصیحت فرمائی، ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ چاہے تمہیں قتل کردیا جائے اور چاہے تم کو نذر آتش کردیا جائے، لیکن اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا: **"لاتشرك بالله شیئا وان قتلت و حرقت"** (مسند احمد، عن معاذ بن جبل: ۲۳۸/۵) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت کی اور فرمایا کہ دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا نہ کرو، لیکن اگر اس کی نوبت آہی جائے تو صبر سے کام لو اور یاد رکھو کہ جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے: **"فاذا لقیتموه فاصبروا"** (بخاری، حدیث نمبر: ۲۸۱۸)

افسوس کہ گذشتہ چند ہی دنوں میں بہت سے مسلمان کہلانے والوں کی زبان بدل گئی اور وہ ظالم کو ظالم کہنے سے بھی کترانے لگے، حالانکہ یہ بہت بڑا جہاد ہے، حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"ان من اعظم الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر"** (ترمذی، حدیث نمبر: ۲۱۷۴) مومن کی شان یہ ہے کہ آزمائشوں کی وجہ سے نہ اس کا ضمیر بدلے اور نہ اس کی زبان تبدیل ہو، بلکہ وہ ہر حال میں باطل کی مزاحمت جاری رہے اور انصاف اور سچائی کے خلاف کوئی بات قبول نہ کرے۔

○○○

مولانا ندیم الواجدی

زکوٰۃ کی فضیلت و اہمیت

زکوٰۃ اسلام کا تیسرا رکن ہے، نماز اور روزہ کی طرح یہ بھی ایک فرض عبادت ہے، قرآن کریم میں 82 جگہوں پر نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر کیا گیا ہے، اور تنہا زکوٰۃ کا ذکر ان کے علاوہ ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں زکوٰۃ کی کس قدر اہمیت ہے ایک جگہ فرمایا گیا:

هُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِينَ۔ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُم بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ۔ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ (لقمان: 3-5)

"ہدایت اور رحمت ہے ان نیک لوگوں کے لئے جو نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں، یہی لوگ اپنے رب کی طرح صحیح ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔"

جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور مال کی محبت میں اس قدر گرفتار رہتے ہیں کہ جو فریضہ اللہ نے ان کے مال میں متعین کردیا ہے اس کی ادائیگی سے پہلو تہی کرتے ہیں ان کے لئے قرآن کریم میں سخت ترین وعید ہے، ارشاد فرمایا:

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ۔ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ۔

"جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے جس دن اسے (سونے چاندی کو) دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا اور اس سے ان (مال و دولت دونوں) کی پیشانیوں، پہلوؤں اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا) یہ ہے جو تم نے جمع کیا تھا اب اپنے جمع کردہ خزانے کا مزہ چکھو۔"

(التوبہ: 34-35)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ وَلَا يُنفِقُونَهَا کے لفظ سے اس طرف اشارہ ہوگیا کہ جو لوگ بہ قدر ضرورت اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو باقی ماندہ مال کے لئے یہ وعید نہیں ہے۔ اس کی تائید حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کردی جائے وہ كَنَزْتُمْ میں داخل نہیں ہے۔ (سنن ابوداود کتاب الزکوٰۃ: 218) اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات عین عمل جزاء عمل بنا دیا جاتا ہے، جیسا کہ یہاں ہے کہ جو سرمایہ ناجائز طور پر جمع کیا گیا تھا یا سرمایہ تو جائز تھا مگر اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی گئی تھی، وہ سرمایہ خود سرمایہ داروں کے لئے عذاب بن گیا، یہاں ایک پہلو یہ بھی قابل غور ہے کہ تپتے ہوئے سونے چاندی سے داغ لگانے کے لئے جسم کے تین حصوں کا انتخاب کیا گیا ہے، پیشانی، پہلو اور پیٹھ، ان تین اعضائے بدن کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ جب کوئی سائل یا زکوٰۃ کا طلبگار اس کے سامنے آتا ہے تو اس کو دیکھ کر سب سے پہلے اس کی پیشانی پر بل پڑتے ہیں، پھر اس سے نظر بچانے کے لئے وہ دائیں یا بائیں مڑتا ہے، اس پر بھی سائل نہ چھوڑے تو اس کی طرف پشت کرلیتا ہے۔ (معارف القرآن: 4/363) ایک جگہ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْراً لَّهُم بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

"اور ہرگز نہ خیال کریں ایسے لوگ جو اس چیز میں بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے کہ یہ بات ان کے لئے کچھ اچھی ہوگی (ہرگز نہیں) بلکہ یہ بات ان کے لئے بہت ہی بری ہے وہ لوگ قیامت کے روز طوق پہنائے جائیں گے اس مال کا جس میں انہوں نے بخل کیا تھا۔(آل عمران:180)

بخل کی جو سزا اس آیت کریمہ میں بیان کی گئی ہے اس سزا کی تفصیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں مذکور ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص کو اللہ نے مال عطا کیا پھر اس نے اس میں زکوٰۃ ادا نہیں کی تو قیامت کے روز یہ مال ایک سخت زہریلا سانپ بن کر اس کے گلے میں طوق کی طرح ڈال دیا جائے گا وہ اس شخص کی باچھیں پکڑے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، تیرا سرمایہ ہوں پھر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی (نسائی:5/39،رقم الحدیث:2482)

ادیان سابقہ میں زکوٰۃ

زکوٰۃ اسلام میں کوئی نئی چیز نہیں ہے، سابقہ شریعتوں میں بھی زکوٰۃ مشروع تھی چنانچہ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ۔ (الانبیاء:73)

"اور ہم نے ان کو نیک کام کرنے کا نماز قائم کرنے کا اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا" اسی طرح حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے دوسرے فرزند حضرت اسماعیل کے متعلق ارشاد فرمایا:

وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ۔ (مریم:55)

"اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا کرتے تھے، ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ سابقہ شریعتوں میں زکوٰۃ کا حکم موجود تھا اس کی نوعیت کیا تھی اور طریقہ کار کیا تھا اس سلسلے میں حتمی طور پر کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا، اسلام نے زکوٰۃ کے حکم کو نہ صرف یہ کہ باقی رکھا ہے بلکہ اسے ایک باضابطہ شکل بھی دی ہے۔

زکوٰۃ کی فرضیت

ایک قول کے مطابق زکوٰۃ کی فرضیت مکہ میں ہوچکی تھی، چنانچہ سورۂ مزمل کی آخری آیت میں وآتوا الزکوٰۃ کا حکم بھی موجود ہے، مشہور اور راجح قول یہی ہے کہ زکوٰۃ 2 ہجری میں فرض ہوئی، اسی لئے بعض علماء کہتے ہیں کہ اگرچہ سورۂ مزمل مکی ہے مگر یہ آخری آیت مدنی ہے، لیکن سورۂ مومنون، نمل اور لقمان کی ابتدائی آیتوں میں بھی زکوٰۃ کا حکم موجود ہے جب کہ یہ تینوں صورتیں بھی مکی ہیں، ان آیتوں کے متعلق بھی یہی کہنا پڑے گا کہ یہ مدنی ہیں، باقی آیات مکے میں نازل ہوئیں، اس سلسے میں مشہور مفسر حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے قرین عقل ہے کہ شاید زکوٰۃ تو مکہ مکرمہ میں اوائل اسلام میں ہی فرض ہوگئی ہو مگر اس کے نصاب اور مقدار واجب کی تفصیلات مدینہ طیبہ میں ہجرت کے دوسرے سال میں بیان کی گئیں ہوں، تفسیر روح المعانی میں بھی یہی قول اختیار کیا گیا ہے، ابتدائے اسلام میں لوگ اپنے مال کی زکوٰۃ لاکر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کردیا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک سے بے ساختہ طور پر ان کے لئے دعائیں نکلتی تھیں، چنانچہ صحابہ کرام سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں حاصل کرنے کے لئے زکوٰۃ پیش کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے، ایسے ہی حضرات کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

وَيَتَّخِذُ مَا يُنفِقُ قُرُبَاتٍ عِندَ اللَّهِ وَصَلَوَاتِ الرَّسُولِ۔ (التوبہ:99)

"اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے

اللہ کے قرب کا ذریعہ اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعا لینے کا ذریعہ بناتے ہیں۔" اس طرح یہ زکوٰۃ نادار مہاجرین صحابہ کی ضروریات زندگی کے لئے اہمیت اختیار کرگئی تھی، مالدار صحابہؓ صدقہ وزکوٰۃ سے خود بھی غریب صحابہؓ کی مدد کیا کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھی پیش کردیا کرتے تھے، اس وقت تک زکوٰۃ کی وصولی کا کوئی باضابطہ نظام نہیں تھا یہاں تک کہ 9 ہجری میں یہ آیت نازل ہوئی: **خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا** (التوبہ:103) "آپ ان کے مالوں میں صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعے سے آپ ان کو پاک و صاف کردیں گے۔"

زکوٰۃ کا مقصد

سب سے پہلے تو یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ زکوٰۃ کا مقصد مالداروں کے قلب کی تطہیر وتزکیہ ہے، جیسا کہ سورۂ توبہ کی آیت (103) میں یہ مقصد واضح کیا گیا ہے کہ اللہ چاہتا ہے کہ زکوٰۃ کے ذریعے وہ زکوٰۃ دینے والوں کو گناہوں سے پاک کردے، اوران کے دل مال کی حرص ومحبت سے پیدا ہونے والے اخلاقی رذائل سے پاک و صاف ہوجائیں، اگرچہ زکوٰۃ کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے قوم کے ان نادار اور غریب لوگوں کی مدد ہوتی ہے جو عارضی یا مستقل اسباب کی بنا پر اپنی ضروریات زندگی فراہم کرنے سے عاجز رہتے ہیں، جیسے یتیم بچے، بیوہ عورتیں، معذور افراد، عام فقراء و مساکین اوراسی طرح کے دوسرے لوگ، زکوٰۃ ان لوگوں کی اعانت کا بہت بڑا ذریعہ ہے، مگر مذکورہ آیت میں اس مقصد کا ذکر نہیں ہے، اس سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ زکوٰۃ کا اصل مقصد دراصل یہی ایک فائدہ ہے، دوسرے کے فوائد اگر اس فریضے کی ادائیگی سے حاصل ہوتے ہیں تو وہ ضمناً ہوتے ہیں، پہلی شریعتوں میں زکوٰۃ کا کوئی مصرف نہیں تھا، بلکہ طریقہ یہ تھا کہ جو مال زکوٰۃ کے طور پر وصول ہوتا اسے کسی میدان وغیرہ میں جمع کردیا جاتا اور آسمانی بجلی آکر اسے خاکستر کردیتی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ سے شریعت کا اصل مقصد خود صاحب مال کی اصلاح اور تطہیر ہے معاشرے کے افراد کی خدمت واعانت ثانوی درجے میں ہے اور یہ صرف اس امت کی خصوصیت ہے کہ جو مال زکوٰۃ کے طور پر نکالا جارہا ہے اسے امت کے فقراء ومساکین کے لئے جائز کردیا گیا ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ زکوٰۃ امت کے مالدار افراد پر فرض ہے، مگر تمام مالداروں پر نہیں ہے بلکہ ان میں کچھ شرائط کے ذریعے تخصیص کردی گئی ہے پہلی شرط تو یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے والا بالغ ہو، نابالغ بچوں کی ملکیت میں کتنا ہی مال کیوں نہ ہوں اس پر یا اس کے سرپرستوں پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ زکوٰۃ دینے والا عاقل ہو، مجنوں پر زکوٰۃ نہیں ہے، آزاد ہو، غلام پر زکوٰۃ نہیں ہے، مالک ہو اگر کسی کے قبضے میں کوئی مال ہے اور وہ اس کا مالک نہیں ہے تو اس پر زکوٰۃ نہیں، مال ضروریات اصلیہ سے زائد ہو، اگر کسی کی ملکیت میں ایسی چیزیں ہیں جو انسان کی ضروریات زندگی میں داخل سمجھی جاتی ہیں جیسے رہائشی مکان، کپڑے، برتن، فرنیچر، گاڑی وغیرہ ان پر زکوٰۃ نہیں۔ اس مال پر ایک سال مکمل گزر چکا ہو، ایک سال سے پہلے زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، مال نامی ہو یعنی بڑھنے والا ہو، جیسے سونا چاندی، تجارتی سامان، مویشی وغیرہ اور جو مال نامی نہیں ہے وہ اگر ضرورت سے زائد ہو تب بھی زکوٰۃ نہیں ہے، مثلاً کسی کے پاس کئی رہائشی مکانات ہوں متعدد گاڑیاں ہوں غیر ضروری برتن اور کپڑے وغیرہ ہوں، اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ہر مال پر زکوٰۃ نہیں ہے، بلکہ اس مال پر زکوٰۃ ہے جو عادتاً بڑھتا رہتا ہے جیسے مال تجارت، مویشی یا سونا چاندی۔ (فتاویٰ عالمگیری: 1/172 بدائع الصنائع:2/78)

○○○

شادی میں اسراف اور اس کا انجام

صبا افروز بنت عبدالعزیز

ہماری زندگی میں مختلف تقریبات کے موقع پر اسراف اور فضول خرچی کا مظاہرہ ہوتا ہے، سب سے زیادہ اسراف شادی بیاہ کے موقع پر ہوتا ہے، ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ ہم نے سنت رسول اور قرآنی احکام کو بھلا دیا ہے اور ہر کام کے وقت ہم مغربی تہذیب کے نقش قدم پر چلتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُوراً (بنی اسرائیل:27)

"فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے"

اسراف جس موقع پر بھی ہو اسلام نے اس پر روک لگانے کا حکم دیا ہے لیکن شادی بیاہ کے موقع پر کوئی ہاتھ سے جانے نہیں دیتا ہے، بے ضرورت خرچ اور نمائش و اسراف گویا شادی بیاہ کی پہچان بن گئی ہے۔ امیر تو امیر، غریب بھی اس موقع پر جھوٹے اسراف کی نمائش سے پیچھے نہیں رہنا چاہتا ہے، زمین فروخت ہو جائے، گھر گروی ہو جائے، سود پہ پیسہ لانا پڑے، یہ سب گوارا ہے لیکن شادی میں دھوم دھام نہ ہو، فضول خرچی کا مظاہرہ نہ کیا جائے، اپنی جھوٹی شان کے قصیدے نہ پڑھے جائیں تو وہ شادی ہی کیسی؟ پھر شادی کے بعد تنگ دستی آگھیرتی ہے، سود کا بوجھ کمر توڑنے لگتا ہے، محتاجی اور اس پر قرض کی فکر دل کو جکڑ لیتی ہے، دل کے دورے پڑتے ہیں، کہیں ہارٹ اٹیک ہوتا ہے، کہیں خودکشی ہوتی ہے، یہ ہے ہماری فضول خرچی کا نتیجہ۔

اسلام نے ہرگز ایسی شادی کو پسند نہیں کیا ہے، شادی ضرور کرو مگر اس کے تین نقطے اڑا دو، "سادی" بنالو اور شادی اور زندگی کی ساری ضرورتیں سادگی کے ساتھ پوری کرنی چاہئیں۔

اسلام نے شادی کے بارے میں بہت راحت بخشی ہے، اور آسانی تعلیمات دی ہیں، شادی ایک عبادت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی ہے، وہ ایسی عبادتیں ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے جاری ہیں اور قیامت تک جاری رہیں گی پہلی عبادت دل کو ہر وقت ایمان کے نور سے منور رکھنا اور دوسری عبادت نکاح۔

اسلام میں ایسا نکاح بابرکت قرار دیا گیا ہے جس میں مہر اور مصارف ہلکے ہوں، اور جس میں کم سے کم وقت لگے، صحابہ کرام صرف اتنی دیر میں نکاح کر لیا کرتے تھے جتنی دیر میں دو رکعت نفل پڑھی جاتی ہیں، شادی کا افضل طریقہ یہ ہے کہ مسجد میں نکاح پڑھا جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد۔ (ترمذی) "اس نکاح کا اعلان کرو اور اسے مسجد میں انجام دو۔" مہمانوں کا ہجوم بلانے کی ضرورت نہیں، مسجد میں جو نمازی موجود ہوں ان کی شمولیت کافی ہے، مہر لڑکی کی خاندانی حیثیت کے مطابق ہونا چاہئے نہ بہت زیادہ اور نہ بہت کم، مہر مقرر کرنا نکاح کا ایک لازمی حصہ ہے، اس کے بغیر نکاح مکمل نہیں ہوتا ہے، شریعت اسلامی نے مہر ادا کرنے کی ذمہ داری مرد پر رکھی ہے، سب سے مثالی شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی فرمائی بیوہ سے بھی اور کنواری سے بھی اور اپنی صاحبزادیوں کی شادیاں بھی کیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو شادی کی ترغیب دی اور اس کے طریقے بتائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عمل اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کا مطالعہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ شادی ایک سماجی ضرورت ہے اور ساتھ ہی ایک عبادت بھی ہے لیکن کہیں سے بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ شادی دولت کی نمائش اور بے جا اسراف کی کوئی تقریب سمجھی گئی ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان اعظم النكاح ايسرها مؤوية" "سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جو سب سے کم خرچ ہو۔"

آیئے ہم ذرا جائزہ لیں کہ ہم نے اپنی شادیوں میں کس کس قسم کی فضول خرچی کو داخل کر لیا ہے، اور وہ کس طرح ہمارے سماج کو نقصان پہنچا رہی ہے، اور اس سلسلے میں

اسلام کی ہدایات کیا ہیں؟

ہماری شادیوں میں کئی طرح کی فضول خرچیاں ہوتی ہیں جو بعد میں نہ صرف ہماری پریشانیوں میں اضافہ کرتی ہیں بلکہ بسااوقات اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی اور آخرت میں تباہی کا سامان بھی کرتی ہیں۔ فضول خرچی اور اسراف کی ایک نمائش ان ملبوسات اور سامانوں کی شکل میں کی جاتی ہے جو مختلف ناموں سے اور مختلف رسومات کے تحت لڑکے اور لڑکی والے ایک دوسرے کے گھر بھیجتے ہیں، اس موقع پر جہیز کے نام پر گویا ایک پورا نیا گھر بسایا جاتا ہے۔ سامان جہیز کے سلسلے میں ایک غلط فہمی ہمارے پڑھے لکھے لوگوں میں بھی پائی جاتی ہے کہ خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چہیتی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جہیز کا سامان دیا تھا۔ اس سلسلہ میں واضح رہنا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تین بیٹیوں کو جہیز کا سامان نہیں دیا تھا، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ نے بھی آج کی طرح جہیز کے سامانوں کا لین دین نہیں کیا تھا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ یہ تھا کہ اول تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صرف دو سامان دیئے جن کی انہیں سخت ضرورت تھی، دوسرے یہ سامان بھی اس لئے دیئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہونے کے علاوہ خود آپ ہی کی سرپرستی میں تھے، ان کا علاحدہ گھر نہ تھا، نہ مدینہ میں اپنے ماں باپ کے گھر تھے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہتے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شادی اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کردی تو ان دونوں کو ایک علاحدہ گھر میں بسایا اور انتہائی ضرورت کے چند سامان انہیں دیئے تاکہ وہ نئے گھر میں کھانے اور سونے کا نظم کرسکیں، کیا یہ وہی جہیز تھا جس کا مظاہرہ آج ہماری شادیوں میں ہورہا ہے؟ ہرگز نہیں، وہ رسم تھی اور نہ نمائش، ایک ضرورت کی تکمیل تھی اس کی آج بھی اجازت ہے، لیکن رسم کے نام پر بے ضروریات سامانوں کا ڈھیر لگانا اور بے شمار چیزوں کی نمائش کرنا سوائے اسراف وفضول خرچی کے اور کیا نام پاسکتا ہے۔

اسراف کی دوسری شکل شادی کی تقریب کے موقع پر ہوتی ہے، شادی ہال کی تیاری اور اس کی سجاوٹ پر لاکھوں روپے خرچ کئے جاتے ہیں، آرائش وزیبائش میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش ہوتی ہے، اسی شادی کے موقع پر نکاح کی تقریب میں اور ولیمہ کی دعوت میں اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کو مدعو کیا جاتا ہے کہ بھیڑ کی شکل بن جاتی ہے، پھر کھانے کے انواع واقسام میں ایسا تنوع دکھایا جاتا ہے کہ انسان کھائے کم اور دیکھے زیادہ، چنانچہ عموماً یہیں سے کھانوں کی بربادی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ۔ ''کھاؤ اور پیو، لیکن اسراف نہ کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' (الاعراف:31)

اسراف اور فضول خرچی جو ہماری شادیوں میں آج کل دیکھی جارہی ہے، اس کو اسلام نے سختی کے ساتھ منع کیا ہے، اسراف اور فضول خرچی کے نقصانات مختلف پہلوؤں سے ہوتے ہیں، سب سے پہلے اس شخص کے لئے جس نے فضول خرچی کی ہے، دولت ناپائیدار چیز ہے اور اسراف ہو تو مزید بے برکتی پیدا ہوتی ہے ایسی دولت جلد لٹ جاتی ہے اور حالات آسانی اور سہولت کے بجائے تنگی میں تبدیل ہونے لگتے ہیں تب انسان کو اپنے کئے پر پچھتاوا ہوتا ہے لیکن اس وقت افسوس کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا، دوسرا نقصان یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص کا اسراف سماج کے دوسرے افراد کے لئے مشکلات پیدا کردیتا ہے، مثلاً کسی علاقہ اور محلہ کی ایک شادی میں جب دھوم دھام کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اور اسراف اور فضول خرچی کی جاتی ہے تو اس محلہ کے دوسرے لوگوں کے لئے سادگی کے ساتھ شادی کرنا مشکل ہوجاتا ہے کیونکہ ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی ویسی ہی دھوم دھام کی شادی کے مطالبے ہونے لگتے ہیں اور پھر آہستہ آہستہ وہ سماج میں اتنا بڑھ جاتا ہے کہ اس کی حیثیت شادی کی ایک رسم کی ہوجاتی ہے۔ اس وقت سماج کے غریب لوگوں کے لئے شادی کے ان بیجا رسوم اور اسراف پر مبنی رواج کی پابندی مصیبت بن جاتی ہے، وہ شادی کے انتظامات نہیں کرپاتے، لڑکے والوں کے مطالبات کو پورا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی بیٹیاں گھروں میں بیٹھی رہ جاتی ہیں۔

(باقی......صفحہ......42......پر)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

مجالس خیر

حلال وحرام کی تمیز

اموال کے حاصل کرنے میں حرام و حلال کی بالکل تمیز نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ قلب میں نور نہیں ہوتا، نماز پڑھتے ہوئے مدتیں گزر گئیں مگر قلب میں نورانیت نہیں۔

ان میں سے بعض کو یہ غلطی واقع ہوگئی اور ان کے ذہن میں یہ بات جم گئی ہے کہ حلال دنیا میں مفقود ہوگیا ہے، اسی وجہ سے وہ حلال کی فکر ہی نہیں کرتے، شیطان نے ان کو پٹی پڑھائی ہے اور اپنے نزدیک بڑے متقی ہیں کہ کسی چیز کو حلال ہی نہیں سمجھتے، مگر اس کا انجام یہ ہے کہ پھر ایسے لوگ بالکل احتیاط نہیں کریں گے جو چیزیں صریح حرام ہیں ان سے بھی پرہیز نہ کریں گے، سمجھ لیں گے کہ حلال کا تو وجود ہی نہیں اور حلال حرام سب برابر، اس لئے کہ کسی چیز کو بھی نہ چھوڑیں گے۔ بقولے کہ۔

چو آب از سر بگذشت چہ یک نیزہ یک دست

شیطان کی پٹی پڑھانے کا یہ نتیجہ ہوگا۔

میں کہتا ہوں کہ حلال کا وجود دنیا میں نہیں، یہ محض غلط ہے اور یہ صرف شیطانی دھوکا ہے کہ وہ اس طریقہ سے حرام میں مبتلا کرنا چاہتا ہے، میں حلال وحرام کا معیار بتلاتا ہوں، اس کو سمجھ لینا چاہئے۔ معیار یہ ہے کہ فتویٰ فقہی جس چیز کو کہہ دے کہ یہ حلال ہے تو وہ حلال ہے اور جسے کہے کہ یہ حرام ہے تو وہ حرام۔ یہ وہ وقت ہے کہ آج کل مشتبہ چیز کو بھی حلال کہا جاتا ہے، نہ کہ حلال کو بھی شبہات نکال کر حرام کر دیا جائے۔ پس یہ معیار یاد رکھا جائے کہ جس کو فتویٰ فقہی حلال کہہ دے بس وہ حلال ہے۔ اصل میں بعض واعظین نے ایسی ایسی حکایات بیان کر کے لوگوں کو دھوکے میں ڈالا ہے۔ ایک حکایت یہ بیان کیا کرتے ہیں کہ:

ایک بزرگ تھے، ان کا کھیت تھا۔ اتفاق سے ان کا بیل دوسرے کے کھیت میں گھس گیا اور اس کے کھر میں اس کھیت کی مٹی لگ گئی، پھر وہ اس کے کھیت میں آگیا اور وہ مٹی ان کے کھیت میں مل گئی تو انہوں نے اپنے اس کھیت کا غلہ کھانا چھوڑ دیا۔ بس لوگ اس قسم کی حکایت سن کر سمجھ لیتے ہیں کہ جب یہ حالت ہے تو حلال کا وجود ہی نہیں، نہ ہم سے ایسا ہو سکے گا اور نہ حلال نصیب ہوگا، پھر خوب حرام پر ہاتھ مارتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اوّل تو یہ حکایت صحیح نہیں اور اگر صحیح بھی ہو تو وہ بزرگ مغلوب الحال تھے اور مغلوب الحال مجنون کے حکم میں ہوتا ہے، اس کا فعل قابل تقلید نہیں ہوتا۔

دین میں غلو

میں اس بات کا دعویٰ کرتا ہوں کہ شریعت کے برابر کسی قانون میں وسعت نہیں، دیکھئے شریعت دین میں غلو کرنے کی اجازت نہیں دیتی، چنانچہ ارشاد ہے: **(یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم)** اور ارشاد ہے: **(لا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم)**

اور دیکھئے حدیث میں ہے کہ تین شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت خانہ پر حاضر ہوئے اور بعض ازواج مطہرات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات دریافت کئے اور جب انہیں بتلایا گیا تو انہوں نے اس کو کم سمجھا اور کہا کہ ہم اپنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسے قیاس کر سکتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تو اگلے پچھلے گناہ سب معاف ہو چکے ہیں، ہمیں یہ بات کب نصیب ہے؟ اس لئے کہ ہم کو بہت زیادہ مجاہدہ کی ضرورت ہے۔ پس ایک نے ان میں سے کہا کہ میں اتنی عبادت کروں گا کہ سوؤں گا نہیں۔ ایک نے کہا میں نکاح نہیں کروں گا۔ ایک نے کہا کہ میں ہمیشہ روزہ ہی سے رہوں گا، افطار نہ کروں گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مکان پر تشریف لائے تو آپ کو ان تینوں کی باتیں

معلوم ہوئیں۔ تو آپ کو ناگوار ہوا اور فرمایا کہ یاد رکھو! میں سوتا بھی ہوں جاگتا بھی ہوں، نکاح بھی کرتا ہوں، کھاتا بھی ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں، افطار بھی کرتا ہوں، خوب سمجھ لو، یہ میرا طریقہ ہے اور جو شخص میرے طریقہ کو چھوڑے گا اس سے مجھے کوئی علاقہ نہیں۔ دیکھئے ان لوگوں پر آپ نے غلو فی الدین کی وجہ سے کتنا بڑا تشدد فرمایا کہ ایسے شخص کا مجھ سے کوئی علاقہ نہیں۔ ایسا ہی ایک اور واقعہ ہے کہ آپ ایک دفعہ مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ دوستونوں کے درمیان میں ایک رسی بندھی ہوئی ہے، آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ رسی کیسی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ یہ رسی حضرت زینبؓ نے باندھی ہے، جس وقت ان کو نوافل پڑھتے پڑھتے نیند ستاتی ہے تو (کسل رفع کرنے کے لئے) اس پر سہارا لگالیتی ہیں۔ آپ نے یہ سن کر فوراً اس کو توڑ ڈالا اور فرمایا کہ نفس پر اتنا تشدد نہ چاہئے اور فرمایا جب نیند آئے تو سو رہو، جب کسل رفع ہوجائے پھر مشغول ہوجاؤ۔ شریعت تو یہ ہے۔ ان آیتوں اور حدیث کو فقہاء نے خوب سمجھا ہے، ان کا مطلب یہ نہیں کہ تقویٰ طہارت اختیار مت کرو بلکہ تقویٰ طہارت کی تو خوب کوشش کرو، مگر حد سے آگے مت بڑھو۔ اہل ادب نے تو یہاں تک کیا ہے کہ بعض افعال کو اس لئے نہیں کیا، تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مساوات کا دعویٰ نہ ہوجائے، مگر ہر شخص اس کو نہیں جان سکتا کہ کس بات سے مساوات ہوتی ہے اور کس بات سے نہیں ہوتی؟ یہ کام علمائے باطن کا ہے، اس کو وہی سمجھ سکتے ہیں۔

حضرت شیخ بہاء الدین نقشبندی کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ کی نظر سے یہ حدیث گذری کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں چھلنی نہ تھی، آٹا چھانا نہ جاتا تھا، پس یہ کرتے تھے کہ جو کا آٹا پیسا اور پھونک ماری بھوسی اڑگئی اور روٹی پکالی۔ یہ طریقہ تھا۔ آپ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے خدامؒ سے فرمایا کہ اب سے اسی سنت کے موافق عمل درآمد ہونا چاہئے کہ آٹا جو کا ہو اور چھانا نہ جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور روٹی پکائی گئی اور سب نے کھائی، اس کے کھانے سے سب کے پیٹ میں درد ہوا، سوئیاں سی چبھنے لگیں، حضرت کے پیٹ میں بھی درد ہوا۔

مگر اہل ادب کے قلب میں نورانیت ہوتی ہے۔ ان حضرات کا ادب دیکھئے آپ نے فرمایا کہ ہم نے بے ادبی کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مساوات کا دعویٰ کیا۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ کو کیسے پہنچ سکتے ہیں؟ ہم ضعیف و کمزور ناتواں ہیں، آپ سے نچلے ہی درجے میں رہنا چاہئے پھر خدام سے فرمایا کہ کھائیں گے تو جو، مگر چھان کر، ادب دیکھئے کہ سنت میں کوئی نقص نہیں نکالا، بلکہ اپنے کو سنت کے قابل نہ سمجھا۔

شریعت میں چیزوں کی اقسام

اب میں اس مسئلہ کا حل عقلی طور سے کرتا ہوں، وہ یہ ہے کہ شریعت میں دو قسم کی چیزیں ہیں، ایک تو وہ چیزیں ہیں جو مقصود ہیں اور ایک وہ ہے جو مقصود نہیں ہیں، زائد ہیں، مگر محمود ہیں، لیکن یہاں مجتہد کی ضرورت ہوگی کہ وہ تمیز کرے کہ کون مقصود ہے اور کو مقصود نہیں؟ اور یہ ہر شخص کا کام نہیں، اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک طبیب نے ایک مریض کو اجازت دی کہ شلجم کھاؤ، اس نے پتوں کے ساتھ ہی پکا کر کھائے اور اس کو نفع ہوا۔ اب اس کا فیصلہ کرنا کہ قلتوں سے نفع ہوا یا پتوں سے یا دونوں سے یا دونوں کے مجموعہ سے؟ یہ طبیب کا کام ہے یہاں دو چیزیں ہیں، ایک قتلے اور ایک پتے، ممکن ہے کہ مقصود قتلے ہوں اور مریض پتے کو مقصود سمجھ لے یا مقصود پتے ہوں اور مریض قتلوں کو مقصود سمجھ لے۔ اس لئے اس میں فیصلہ کرنا مریض کا کام نہیں، بلکہ یہ کام طبیب کا ہے۔

اسی طرح سنن میں امتیاز کرنا کہ شارع کے نزدیک مقصود کون ہے اور غیر مقصود کون ہے؟ یہ کام مجتہد کا ہے ہر شخص کا کام نہیں اور کبھی اجتہاد میں اختلاف بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں رفع یدین ثابت ہے اور عدم بھی ثابت ہے۔ اب یہاں مجتہدین کا اختلاف ہوا، ایک مجتہد سمجھے کہ رفع مقصود ہے اور ترک رفع جو فرمایا تو بیان جواز کے لئے ہے، مقصود نہیں اور ایک مجتہد عدم رفع کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ نماز میں سکون چاہئے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ یہ تمہیں کیا ہوگیا کہ تم نماز میں ہاتھ اٹھاتے ہو؟ نماز میں سکون

اختیار کرو۔ پس مقصود عدم رفع ہے اور رفع بیان جواز کے لئے فرمایا۔

اب جنہوں نے رفع کو مقصود سمجھا ہے تو وہ اس میں یوں کہتے ہیں کہ یہ رفع جس سے منع فرمایا یہ وہ نہیں ہے جو رکوع میں جانے اور اس سے اٹھنے کے وقت کیا جاتا ہے، بلکہ یہ وہ رفع ہے جو سلام پھیرتے وقت کیا جاتا ہے، جیسا کہ بعض حدیثوں میں اس کی تصریح ہے کہ صحابہؓ جب نماز کا سلام پھیرتے تو ہاتھ اٹھا کر کہتے السلام علیکم ورحمۃ اللہ، یہ ممانعت اس بارے میں فرمائی، ہم اس بارے میں یوں کہتے ہیں کہ مانا اس سے وہی رفع مراد ہے مگر اس سے ایک بات تو ضرور نکلی کہ اصل مطلوب نماز میں سکون ہے اور رفع اس کے خلاف ہے، پس مواقع مختلف فیہا میں بھی رفع مقصود نہ ہوگا، کیونکہ وہ نماز کی حالت اصلی، یعنی سکون کے خلاف ہے اور عدم رفع چونکہ سکون کے موافق ہے، اس لئے وہ مقصود ہوگا۔ اسی طرح اور جہاں کہیں اختلاف ہوا ہے اسی وجہ سے ہوا ہے کہ ایک نے ایک چیز کو مقصود سمجھا اور ایک نے دوسری چیز کو۔

مثلاً آمین کہنا۔ ایک مجتہد کی رائے ہے کہ مقصود آمین پکار کر کہنا ہے اور اخفاء جو ہوا ہے وہ بیان جواز کے لئے اور ایک مجتہد کی رائے یہ ہے کہ مقصود اخفاء ہے، کیونکہ یہ دعا ہے اور دعا میں اخفاء مقصود ہے، اگر پکار کر بھی کہہ دیا ہے تو وہ اس لئے کہ معلوم ہو جائے کہ آپ آمین بھی کہا کرتے ہیں، جیسے بھی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حکمت عملی کے لئے سرّی نماز میں ایک آیت پکار کر پڑھ دی، تعلیم کی غرض سے۔

ایک مجتہد کی یہ رائے اور ایک کی وہ رائے، یہ اختلاف کاہے سے ہوا اسی وجہ سے ایک نے ایک چیز کو مقصود سمجھا اور دوسرے نے دوسری چیز کو؟ اگر اس کو پیش نظر رکھا جائے تو آپس میں لڑائی جھگڑے ہی کا خاتمہ ہو جائے، پس یہ راز ہے اختلاف مجتہدین کا۔ اسی بنا پر تمام افعال میں اختلاف ہوا ہے۔

مجتھد کا کام

بس سمجھ لیجئے کہ جو کی روٹی کھانا مقصود نہیں ہے، کوئی شرعی مصلحت اس کے ساتھ وابستہ نہیں، ہاں! بعض مواقع پر معیّن ہوتی ہے مقصود میں۔ اس لئے جہاں ایسا موقع ہوتا ہے وہاں بتلائی جاتی ہے اور بعض طبائع ہیں ضعیف، وہ اس کے متحمل نہیں ہوسکتیں، اس لئے انہیں یہ مفید نہیں ہوتی، بلکہ مقصود میں مشغول ہونے سے رہ جاتی ہے، ایسے موقع پر اس سے منع کیا جاتا ہے، مثلاً ہم نے جو کی روٹی کھائی اور کھا کر پیٹ میں درد ہوا۔ تو ہم کو محبت تھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے، وہ اس حالت میں باقی نہ رہے گی، بلکہ وحشت ہوگی اور خوف آئے گا کہ اچھا سنت پر عمل کیا کہ پیٹ میں درد ہو گیا۔ آج متشددین ہی کی بدولت شریعت سے لوگوں کو نفرت ہوگئی، لیکن مشائخ ہر شخص کی قابلیت دیکھ کر، اس کے مناسب تعلیم کرتے ہیں، چنانچہ ایسے مقام پر کہتے ہیں کہ روٹی مت کھاؤ اور پہلے چور کی حکایت ایسی ہی گذر چکی ہے کہ شیخ نے اس کو خانقاہ کے جوتے الٹ پلٹ کرنے کی اجازت دے دی تھی، اس کے مناسب حال وہی بات تھی، دوسرے کو اس کی اجازت تھوڑا ہی دی جائے گی۔

ایک رئیس تھے، انہوں نے میرے پاس آنے اور قیام کرنے کا ارادہ کیا اور یہ بھی لکھا کہ میرا جی گاڑھے کے کپڑے پہننے کو چاہتا ہے، اس لئے میرے واسطے وہ بھی تجویز کئے جائیں، میں نے ان کو لکھا کہ مریض ہونے کی حیثیت سے آپ کو حق نہیں فرمائش کا۔ میں جس طرح چلاؤں ویسے چلنا پڑے گا اور اس میں ایک راز تھا وہ یہ کہ یہ شریعت میں یہ اصلی مقصود تو ہے نہیں، پھر ان رئیس کے گاڑھے کے کپڑے پہننے سے ایک بڑا ضرر ہوتا۔ وہ یہ کہ اگر ایسا شخص گاڑھے کے کپڑے پہنے گا تو دل میں عجب پیدا ہوگا کہ ہم کتنے مواضع ہیں کہ رئیس ہو کر ایسے کپڑے پہنتے ہیں؟ ہم ایسے اچھے ہیں، ہم میں ایسی مسکنت ہے اور مقصود ہے عجب کا ازالہ اور یہاں وہ پیدا ہوگا، اس لئے ایسے موقع پر گاڑھے کے کپڑے پہننے کی اجازت ہرگز نہ ہوگی یہ ہے حقیقت اس کی۔

ایسے شخص سے زیب وزینت چھڑائی جائے گی جو زیب وزینت میں مشغول رہتا ہو اور کام نہ کرتا ہو۔ جو بناؤ سنگار میں وقت گذارتا ہو اس سے کہا جائے گا کہ لوگ جہاں راستہ چلتے ہوں وہاں جا کر جھاڑو دیا کرو، تاکہ کپڑوں پر اور جسم پر گرد اور زیب وزینت کو چھوڑے اور کام میں لگے۔ تو ایسے شخص سے اس طرح زیب وزینت چھڑائی جاتی

ہے۔ غرض سادے کپڑے اور جو کی روٹی یا اس کی مثل سنن عادیہ میں سے ہیں، اگر کہیں ان کی وجہ سے مقصود فوت ہونے لگتا ہے تو ان کو چھڑا دیا جاتا ہے کیونکہ سنن عادیہ کوئی مقصود نہیں ہے، بلکہ بعض مواقع پر سنن عبادت تک چھڑا دی جاتی ہیں اگر ان سے ضرر ہوتا ہو۔

مثلاً یہ سنت ہے کہ تہجد کی آٹھ رکعت پڑھے، اب کسی کو نیند زیادہ آتی ہے اور وہ تہجد کے واسطے زیادہ دیر جاگا اور پھر ایسا سویا کہ صبح کی جماعت فوت ہوگئی تو اس سے کہا جائے گا کہ تم دو رکعت پڑھ کر جلد سو رہو، تاکہ صبح کی جماعت فوت نہ ہوجائے، اگرچہ آٹھ رکعت سنن عبادت میں سے ہے، مگر جب اس سے بڑھ کر مقصود فوت ہوتا ہے تو اس کو چھڑا دیں گے، غرض یہ کام مجتہدین کا ہے کہ وہ مقصود اور غیر مقصود کو جان سکتے ہیں۔ یہ نہیں کہ ترجمہ قرآن کا دیکھ کر اور مشکوٰۃ پڑھ کر اجتہاد کرنے لگیں۔

نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند
نہ ہر کہ چہرہ بر افروخت دلبری داند

سو یہ راز ہے اس حکایت میں کہ جب شیخ نے دیکھا کہ جو کا آٹا بے چھنا کھانے سے سب کے پیٹ میں درد ہوا تو فوراً اس سے منع کردیا۔ اس خیال سے کہ یہ کوئی سنن عبادت تو ہے نہیں اور اس سے اندیشہ ہے دینی ضرر کا، کہیں سنت سے وحشت نہ ہوجائے، اس لئے ہمارے لئے اس کو ترک ہی مناسب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی شخص کی بابت اس کے مجموعی حالات سے ثابت ہوجائے کہ حج کے راستہ میں اس سے نماز کی پابندی نہ ہوسکے گی تو اس کو بھی حج نفل سے منع کردیا جاتا ہے، اگر کسی شخص کو ایک نماز کے بھی قضا ہوجانے کا گمان غالب ہو تو اس کو حج نفل کرنا جائز نہیں، اسی کے بارے میں عارف مسعود بک کہتے ہیں۔

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید
معشوق دریںجاست بیائید بیائید

یعنی تم کہاں چلے حج کرنے، تمہارا محبوب یعنی اللہ میاں تو یہاں ہے۔

اس شعر میں مطلق حج مراد نہیں، جس سے شبہ پڑے کہ حج سے روک رہے ہیں، بلکہ حج نفل، جس سے کوئی فرض چھوٹتا ہو وہ مراد ہے، جنہوں نے اس کو مطلق سمجھ لیا وہ اعتراض کرنے لگے کہ لوحج ہی سے منع کرتے ہیں، جو ایک بڑی عبادت ہے تو سمجھ لو کہ وہ ان لوگوں کو کہہ رہے ہیں جنہیں حج سے دینی ضرر پہنچتا ہے کہ نفل کو ادا کرتے ہیں اور فرض کو چھوڑ بیٹھتے ہیں، سو ظاہر ہے کہ ایسوں کو حج سے قرب نہیں بڑھتا، بلکہ اور بعد بڑھتا جاتا ہے، اسی واسطہ کہتے ہیں:

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید
معشوق دریںجاست بیائید بیائید

یعنی تم کہاں چلے؟ تمہارا محبوب تو یہیں ہے۔ تمہیں محبوب کا قرب یہیں رہ کر حاصل ہوسکتا ہے، وہاں نہیں حاصل ہوگا۔ غرض یہ کہ سنن عادیہ اور سنن عبادت ایسے شخص کے واسطے ناجائز ہیں جس کا نتیجہ یہ ہو کہ کوئی دینی ضرر پہنچ جائے، اسی واسطے حضرات مشائخ کسی کو کچھ بتاتے ہیں اور کسی کو کچھ بتاتے ہیں، جو جس کے مناسب ہوتا ہے اس کو وہی بتلاتے ہیں، یہ کام ہر شخص کا نہیں، اس کام کے وہی حضرات ہیں، مطلب میرا یہ ہے کہ لوگوں کو ایسی حکایات (جیسے بیل کے کھر میں مٹی لگ جانے کی حکایت سابق میں گذری) نہ سنانی چاہئے۔

شریعت میں وسعت

بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ شریعت میں وسعت ہے، میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اگر کسی مسئلہ میں مجتہدین کا اختلاف بھی ہو، مگر آج کل کے مجتہدین کا اختلاف نہیں اور اس میں ابتلائے عام ہو تو اس کو بھی جائز کہنا چاہئے۔

وجہ یہ ہے کہ معاملات بہت گندے ہورہے ہیں، اگر مختلف فیہ امور کو حرام بتلایا جاوے گا تو اگر اس پر کوئی عمل کرے گا تو اس کو تنگی ہوگی، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ شریعت کو تنگ سمجھنے لگے گا اور اگر عمل نہ کرے گا تو وہ ان کو محرمات اجماعیہ کے برابر سمجھے گا اور دونوں میں مبتلا ہوجائے گا، اس لئے غلو نہیں چاہئے تنگی میں، بلکہ وسعت کرنی چاہئے فائدہ اس کا یہ ہوگا کہ وسعت ہونے سے اعتقاد درست ہوگا۔ شریعت میں لابجوز بہت کم ہے اور یجوز کثرت سے ہے، جو فقہ سے واقف ہے اس کو خوب جانتا ہے، غرض یہ کہ وسعت دینے میں ایک تو شریعت سے محبت ہوگی، دوسرے جو اس سے منتفع ہوگا آرام سے رہے گا، اس سے حق تعالیٰ کی محبت غالب ہوگی۔

○○○

محمد تہامی بشر علوی

انسان کی سب سے بڑی الجھن کا حل

دنیا میں ہر انسان کو یہ الجھن درپیش ہوتی ہے کہ اسے جتنا کچھ ملا ہے، وہ اس کیلئے ناکافی ہے۔ وہ ملی ہوئی چیزوں سے پوری طرح خوش نہیں ہو پاتا۔ اسے جو جسمانی شکل وصورت ملی ہے یا جو بھی کچھ اور ملا ہے، وہ اس سے مطمئن نہیں۔ میں نیپال کے سفر پہ تھا، دبئی سے ایک آسٹریلین خاتون ہماری ہم سفر بنی۔ دوران سفران سے چند امور میں تبادلہ خیال ہوتا رہا۔ میں نے اس سے اس کی زندگی کا مقصد دریافت کیا۔ اس نے بتایا کہ میں اس لئے جینا چاہتی ہوں تاکہ لوگوں کو مجھ سے خوشی ملے۔ وہ خاتون لیڈی ڈاکٹر تھی۔ اس نے بتایا کہ میں مریضوں کی ہیلپ کر کے، ان کی خدمت کر کے، ان کا دکھ دور کر کے بہت خوشی محسوس کرتی ہوں۔ میں ان کو خوشی پہنچاتی ہوں اور یوں ان کی خوشی واپس مجھ تک لوٹ آتی ہے۔ انہیں خوشی پہنچا کر مجھے ایک سکون ملتا ہے۔

بس یہی سکون اور یہی خوشی میری زندگی کا مقصد ہے۔ میں نے اس سے کہا: بتایئے، کیا آپ واقعی خوش ہیں؟ اس نے کہا: میرا خیال ہے کہ میں خوش ہی ہوں۔ میں نے کہا: میرا خیال ہے کہ ایسا تو ممکن ہی نہیں۔ اس نے کہا: وہ کیسے؟ میں نے اس سے پوچھا: بتایئے، آپ کو جو وجود اور صورت ملی ہے، کیا آپ اس سے مطمئن ہیں؟ کیا آپ اپنی ناک کو اسی طرح قبول کریں گی یا اگر آپ کو اپنی مرضی کی ناک رکھنے کا آپشن مل جائے تو آپ اس ناک کو بدلنا چاہیں گی یا نہیں؟ اس نے کہا کہ آپشن ملے تو بدل دوں گی۔ میں نے کہا: تو کیا آپ اپنی اس موجودہ ناک سے خوش نہیں ہیں؟ اس نے ذرا توقف کے بعد کہا کہ نہیں۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ معاملہ صرف ناک تک ہی محدود نہیں ہے، حقیقت یہی ہے کہ دنیا میں ایک انسان کو ملنے والی چیزوں سے کوئی انسان بھی خوش نہیں۔

ہر انسان کو موقع دیا جائے تو وہ چاہے گا کہ اس کا پورا وجود اور صورت بدل کر اس کی مرضی کی کر دی جائے۔ موجودہ کو ناکافی سمجھنا اور اپنے لئے اپنی مرضی کا پانے کی تمنا کرنا، یہ ہر انسان کی فطری مسئلہ ہے۔ اپنی مرضی کا یہاں کچھ بھی نہ پا سکنا، انسان کی سب سے بڑی الجھن ہے۔ وہ اس الجھن کو اسی دنیا میں آج بھی حل کرنے کی ہر ممکن سعی کر رہا ہے۔ خدا بتاتا ہے کہ اس موجود دنیا میں ایسی کسی کامیابی کا کوئی امکان نہیں۔ کوئی کہے بھی کہ وہ موجود سے مطمئن ہے تو اس کی تہ میں جایئے، معلوم ہو جائے گا کہ حقیقت حال اس سے مختلف ہے۔

آپ انسانی معاملات پر غور کریں، آپ اپنے رشتہ داروں میں، اپنے گھر والوں میں ہی دیکھیں تو یہی ہوگا کہ آپ کے مزاج اور مرضی کے سارے افراد نہیں ہوں گے۔ یہ بھی آپ کے لئے پریشانی کی وجہ بن جاتی ہے۔ آپ کے گھر کا جو ماحول ہے، وہ بالکل آپ کے مزاج کے مطابق نہیں ہے۔

بعض اوقات اولاد پریشان ہوتی ہے کہ ہمارے والدین ہماری مرضی کے نہیں ہیں۔ وہ ہمارے ہر معاملے میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ بعض اوقات والدین پریشان ہوتے ہیں کہ ہماری اولاد ہماری مرضی کے خلاف کچھ اور کرنا شروع کر دیتی ہے۔ تو اس قسم کی الجھنیں انسان کو درپیش ہیں اور انسان شروع سے ہی ان کا حل تلاش کرنے کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ بس کسی طرح ہمیں ان مسائل کا حل مل جائے اور ہم ایسی کوئی دنیا آباد کر لیں جس میں سب کچھ ہماری مرضی کا ہو۔ جہاں، ہماری صورت، ہماری صحت، ہماری صلاحیتیں،

ہمارا گردوپیش اور ہمارا ماحول، یہ سب کچھ ہماری خواہشات کے مطابق ہوجائے۔ لیکن ایسا ہونے کی کوئی صورت ہی نظر نہیں آرہی اور سب سے بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ انسان کو موت کا کھٹکا ہر وقت لگا رہتا ہے۔ انسان اور یہ کائنات آپس میں میچ ہی نہیں کرتے۔ اصل میں انسان کی اس الجھن کا حل انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کسی نے پیش ہی نہیں کیا۔ انبیاء علیہم السلام انسانوں کو ایک بہت اہم حقیقت سمجھاتے رہے۔

وہی حقیقت درحقیقت ان تمام الجھنوں سے، پریشانیوں سے نکلنے کے لئے ایک فارمولے کو سمجھ لے گا، وہ پریشانی سے نجات حاصل کرلے گا۔ جو یہ نہیں سمجھے گا، وہ پھنسا رہے گا۔ الجھا رہے گا اور ساری زندگی اس فارمولے کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بے چین، مایوس اور اداس رہے گا۔ وہ فارمولا یہ ہے کہ انسانی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے: ایک حصہ ہے مرنے سے پہلے کا اور ایک حصہ ہے مرنے کے بعد کا۔ مرنے سے پہلے جو حصہ ہے، یہ Need basis life ہے، یعنی اس حصے میں وقتی نوعیت کی ضروری چیزیں ہی آپ کو ملیں گی۔ اس میں آپ کی خواہشات پوری نہیں ہوں گی۔ کسی انسان کی اس دنیا میں ساری خواہشات کبھی پوری ہوئی ہی نہیں، بلکہ یہاں تو کسی کی کوئی ایک خواہش بھی پوری طرح پوری نہیں ہوتی۔ یہ دنیا اپنی بناوٹ میں ادھوری اور نامکمل دنیا ہے۔ پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسی دنیا میں ہمیں کیوں لایا گیا ہے؟ جب ہماری خواہشات پوری نہیں ہورہیں، تو ہم میں یہ خواہشات رکھی ہی کیوں گئی ہیں؟ انبیاء کے دیئے ہوئے تصورِ حیات میں ان سوالوں کا جواب موجود ہے۔ اس تصور کی رو سے اس محدود دنیا کو ختم ہوجانا ہے اور انسان کی لامحدود خواہشات پوری کرنے کیلئے الگ کائنات تخلیق کی جائے گی جو انسان کی خواہشات کے مطابق ہوگی۔ یہاں ان خواہشات کا ہونا اس چیز کی دلیل ہے کہ جنت ہر انسان کا ایک فطری تقاضا ہے۔ ہر انسان کو اس فطری تقاضے کو پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس عارضی دنیا میں لوگوں نے اپنے آپ کو Wish basis life کے لئے منتخب کروانا ہوگا۔ ان Seleeted People کو صالح لوگوں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی جنت کے لئے Qualify کرنے والے لوگ جنت کے لئے Qualify کرنے کے لئے اس عارضی دنیا میں ہمیں ایک امتحان سے گزرنا ہوگا۔

یہ امتحان پوری انسانی شخصیت کا امتحان ہے، جس میں ہماری فکر، علم، عمل، خیال اور اخلاق کو آزمایا جائے گا، اس آزمائش میں ہم سے اچھائی چاہی گئی ہے۔ "لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا" (الملک:۶۷/۲) اس دنیا میں مرنے سے پہلے جو لوگ اس میرٹ پر آجائیں گے، وہ خواہ کسی بھی رنگ، نسل، خاندان سے ہوں، خواہ وہ امیر ہوں، غریب ہوں، مسکین ہوں، یا فقیر ہوں، جو بھی ہوں وہ Wish Basis Life کے لئے Qualify کرلیں گے۔ "جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَٰلِكَ جَزَاءُ مَن تَزَكَّىٰ" (طٰہٰ:۲۰/۷۶) وہاں پھر انسان کو اپنی مرضی کی مکمل بادشاہی مل جائے گی۔ وہاں نہ کبھی موت آئے گی، نہ بیماری آئے گی۔ وہاں نہ کوئی خوف اور نہ کوئی الجھن، پریشانی۔ وہاں بس مکمل خوشی ہے اور مسلسل خوشی ہے۔

یہ ایک اہم حقیقت ہے، جو ہر وقت پیش نظر رہنا بہت ضروری ہے یہ حقیقت نظروں سے ہٹتے ہی انسان جہالت اور بے چینی کی بے معنی زندگی جینے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ آج انسانوں کا سب سے بڑا مسئلہ ہی یہی ہے۔ زندگی کا دوسرا حصہ اس کی نظروں سے مکمل ہٹ گیا ہے۔ مسلمانوں میں بھی دیکھیے تو آخرت کا تصور بالکل رسمی ہوکر رہ گیا ہے۔ ان کی عملی زندگی میں محسوس نہیں کیا جاسکتا کہ وہ آخرت کو سامنے رکھ کر جی رہے ہیں۔ ہمیں یہ محسوس کرنے کے لئے زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں، ہم یہ سب اپنی زندگی میں بھی محسوس کرسکتے ہیں۔

آخرت کے حقیقی تصور سے بے خبری کے نتیجے میں ایک قسم کا رسمی سا تصور ذہنوں

میں بیٹھا ہوا ہے۔ اور وہاں کی کامیابی کے لئے بھی حقیقی طرز زندگی اختیار کرنے کے بجائے لوگ من چاہے حربے کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اس وقت ہمارے ہاں کے مسلمانوں کا تصور آخرت قرآن مجید کے دیئے ہوئے حقیقی تصور سے مکمل طور پر برعکس ہے۔ اس تفصیل کا یہاں موقع نہیں، بہر حال یہ اس دور کا بڑا المیہ ہے کہ انسان زندگی کے دوسرے حصے کے بارے میں کوئی Serious نہیں۔ عارضی زندگی میں مکمل ہوشیار لوگ بھی ابدی زندگی کے معاملے میں مکمل بدھو بنے ہوئے ہیں۔ وہ دنیا میں احمقانہ طرز عمل اختیار کرنے پر لوگوں پر ہنستے ہیں اور خود اخروی معاملے میں ان سے بھی پرلے درجے کے احمق بنے رہتے ہیں۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں کا مذہبی طبقہ بھی آخرت کے درست تصور پر قائم نہیں ہے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ علماء امت میں دل کے مانند ہوتے ہیں، ان میں بگاڑ آ جائے تو امت کے پورے وجود میں بگاڑ آ جاتا ہے۔ اس طبقے میں آخرت کا تصور بگڑا تو انہوں نے لوگوں کا تصور بگاڑ دیا۔ لوگوں کی حالت یہ ہے کہ دینی امور میں محلے کے مولوی صاحب پر مکمل قناعت فرما رہے ہوتے ہیں، غور و فکر کی زحمت گوارا نہیں کرتے اور دنیا جہان کی من گھڑت چیزوں پر ایمان لانے کو بے تاب بیٹھے رہتے ہیں۔ آپ کو یقین نہ آئے تو خود ہی آزمائش کے لئے کوئی من گھڑت افسانہ سنا ڈالے، پھر دیکھئے اس پر یقین کرنے کو بے شمار لوگ بہ آسانی میسر ہو جائیں گے۔ یوں اوٹ پٹانگ چیزیں ماننے کو بے تاب قوم ماننے سے پہلے سوچنے کا وقفہ ضروری نہیں سمجھتی۔

بات ہو رہی تھی زندگی کے دو حصوں کے تصور پر۔ اس تصور کو ٹھیک طرح سمجھنا، زندگی کی نعمت سے ٹھیک طرح فائدہ اٹھانے کے لئے بہت ضروری ہے۔ ورنہ ایک خوبصورت اور مطمئن زندگی جینا مشکل ہو جاتا ہے۔ زندگی کے اس تصور کو سمجھنے کے بعد کوئی زندگی کا عارضی حصہ آزمائش سمجھ کر ہی گزار سکتا ہے۔ وہ یہاں کی محرومی اور عطا کو آزمائش و امتحان کے زاویے سے ہی دیکھے گا وہ ملنے پر مغرور اور چھننے پر مایوس نہیں ہوگا۔

وہ یہ اصل حقیقت جانے ہوئے ہے کہ یہاں کا ملنا یا چھننا حتمی نہیں ہے۔ وہ ملنے یا چھننے کو آزمائش و امتحان کے زاویے سے ہی دیکھے گا۔ یہاں کسی کی آنکھیں اس کی مرضی کی نہیں، کسی کی شکل اس کی پسند کی نہیں۔ وہ مایوس نہیں ہے، اسے معلوم ہے کہ یہ یہاں اس کی مرضی کا اسے نہیں دیا گیا۔

وہ یہ جانتا ہے کہ اسے یہاں جو کچھ ملا ہے، اس کی بنیاد پر سب کچھ اپنی مرضی کا پانے کے لئے کوالیفائی کر سکتا ہے۔ وہ جو جیسا ملا ہے، اس پر شکر کرے گا اور اپنی مرضی کا پانے کے لئے صبر کرے گا۔ اس صبر اور شکر کے ساتھ وہ اپنی زندگی کو پاکیزہ بنا کر جنت کا انعام پالے گا۔ آخرت کے یقینی اور حقیقی تصور کے دل میں راسخ ہو جانے کے بعد پوری زندگی کی ترتیب بدل جاتی ہے۔ سوچ، فکر، عمل اور اخلاق، سب کچھ مناسب جگہ پر آ جاتا ہے۔ یہ حقیقت فراموش کر کے لوگ دولت اور اسباب کے نہ ختم ہونے والی بھوک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید اس طرح انہیں اپنی مرضی کی زندگی جینے کا موقع مل جائے گا۔ کروڑوں کمانے والوں سے معلوم کیجئے تو معلوم ہو جائے گا کہ ان کی کوئی ایک مرضی بھی ان کی مرضی کے مطابق پوری نہیں ہوئی۔ آپ کروڑوں روپے کیا ساری دنیا کے اسباب اور دولت جمع کر لیں، تب بھی آپ کی خواہشات کے مقابلہ میں ایک تنکے جتنی خواہش بھی پوری نہیں ہوئی ہوگی۔ یہ اچھی طرح سمجھنا ضروری ہے کہ اس آزمائش کی زندگی میں ایسا ہو جانا ناممکنات میں سے ہے۔ یہاں جو ممکن ہے، وہ بس یہ ہے کہ یہاں ہم اپنے آپ کو اس قابل بنا لیں کہ زندگی کے دوسرے حصے میں خواہشات والی زندگی جینے کا موقع ہمیں مل جائے۔ ویسی زندگی کے حصول کی اس امتحان کی عارضی زندگی میں کوشش ایک کھلی حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ ایسا احمق اس احمق سے بڑا احمق ہے جو کیکر کے درخت پر آم کا پھل لگنے کا انتظار کر رہا ہو۔ ○○

مفتی منیب الرحمن

نیک اعمال کے اجر میں اخلاص کی اہمیت

اللہ تعالیٰ کے ہاں نیک اعمال پر اجر و ثواب کی مقدار کا تعین اُن اعمال کے پیچھے کارفرمانیت اور اخلاص پر ہوتا ہے، جس درجے کا اخلاص ہوگا، اُسی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اُسے اجر عطا کیا جائے گا۔

صحابۂ کرام چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیضیاب ہوئے تھے اور نگاہِ نبوت نے اُن کے دلوں کو مجلّٰی، مصفّٰی اور پاکیزہ کردیا تھا، اس لئے اُن میں اخلاص کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور اسی بنا پر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے پایاں اجر کے حق دار قرار پائے، حدیث پاک میں ہے: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابہ کو برا مت کہو، کیونکہ اگر تم میں سے کوئی شخص (اللہ کی راہ میں) اُحد پہاڑ کے برابر سونا (بھی) خرچ کردے تو وہ میرے صحابہ کے خرچ کئے ہوئے ایک اور یا نصف مد (یعنی ایک کلو کھجور یا جو کے صدقے کے اجر) کو بھی نہیں پاسکتا۔ (صحیح البخاری:3673) اب آپ خود فرمائیں کہ دنیاوی مالیت کے اعتبار سے ایک کلو جو یا کھجور کی قیمت کا اُحد پہاڑ کے برابر سونے سے تقابل کا سوچا بھی نہیں جاسکتا، لیکن اللہ تعالیٰ صحابیِ رسول کے ایک کلو جو یا کھجور کے صدقے کا اجر اپنے فضل و کرم سے اُحد پہاڑ کے برابر سونے سے بھی زیادہ گراں قدر بنادیتا ہے۔

یہ تو اصحاب رسول کی بات تھی، ایک عام شخص بھی اگر اخلاص کے اعلیٰ درجے پر فائز ہوجائے تو اُس کا اجر بھی قابل رشک بن جاتا ہے، حدیث پاک میں ہے: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (پچھلی امتوں میں) ایک شخص راستے پر پیدل جارہا تھا، اس کو شدید پیاس لگی، اس نے ایک کنواں دیکھا، وہ اس میں اترا اور پانی پی کر باہر نکل آیا۔ پھر اس نے ایک کتا دیکھا جو پیاس کی شدت سے ہلکان ہو رہا تھا اور کیچڑ کو چوس رہا تھا۔ اس شخص نے (دل میں) سوچا: اس کتے کو بھی اتنی ہی شدید پیاس لگی ہے جتنی (کچھ دیر پہلے) مجھے لگی ہوئی تھی۔ وہ پھر کنویں میں اترا، سو اس نے اپنے موزے میں پانی بھرا، پھر اس موزے کو اپنے منہ سے پکڑا (اور کنویں سے باہر آکر) اس کتے کو پانی پلایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اس فعل کی قدر افزائی فرمائی اور اس کو بخش دیا، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہمارے لیے ان جانوروں میں بھی اجر ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! ہر تر جگر والے (یعنی ذی حیات کو راحت پہنچانے) میں اجر ہے۔

(بخاری:6009)

عام حالات میں بھی، خواہ انسان ہو یا جانور، پیاسے کو پانی پلانا ایک نیکی ہے، لیکن اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ پیاسے کتے کو پانی پلانے والے ہر شخص کی محض اس نیکی پر مغفرت ہوجائے گی، ایک خاص وقت میں ایک خاص کیفیت اُس کے دل میں پیدا ہوئی، اُس نے اپنی پیاس کی شدت کو ذہن میں رکھتے ہوئے اُس کتے کی پیاس کا کرب اپنے دل میں محسوس کیا، اس سے اُس کے دل میں اخلاص کا جذبہ پیدا ہوا اور اس نے مشقت کرکے اس پیاسے کتے کو پانی پلایا۔ اب ظاہر ہے کہ اس کا محرک نہ دکھاوا تھا، نہ ریاکاری تھی، پس ایک جاندار کی جان بچانے کے لئے خوف خدا کا جذبہ اُس کے دل میں پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور اُس کے

اس اخلاص نے قبولیت کے درجے کو پالیا اور اس کی مغفرت ہوگئی۔

ایک اور حدیث مبارک میں اخلاص کا مفہوم اور زیادہ واضح ہوجاتا ہے: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں! ہم ایک غزوے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، ایک شخص جو ایمان کا دعوے دار تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ جہنمی ہے، جب قتال کا وقت آیا تو اُس شخص نے سخت جنگ لڑی اور زخمی ہوگیا، عرض کیا گیا: یارسول اللہ! جس شخص کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ وہ جہنمی ہے، آج تو اس نے غضب کی جنگ لڑی ہے اور اُس نے جان دے دی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ جہنمی ہے، اس پر بعض لوگ شکوک میں مبتلا ہوئے، اچانک معلوم ہوا کہ وہ زخمی تو ہے لیکن ابھی زندہ ہے، سو جب رات آئی تو وہ اپنے زخم کی تکلیف کو برداشت نہ کرپایا اور اپنے آپ کو قتل کردیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی گئی تو آپ نے فرمایا: اللہ اکبر! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، پھر بلال کو حکم دیا کہ اعلان کرو: جنت میں صرف مسلمان جائے گا، ہاں (بعض اوقات) اللہ تعالیٰ کسی فاجر شخص سے اس دین کا کام لے لیتا ہے، (صحیح البخاری: 3062) اس سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے معلوم ہوگیا تھا کہ دادِ شجاعت دینے والا وہ شخص منافق تھا۔

لیکن اگر کوئی مسلمان بھی ہے مگر اُس کے فعل کا محرک رضائے الٰہی اور للّٰہیت یعنی اخلاص نہیں ہے، تو اس کا فعل ظاہر نیک نظر آنے کے باوجود عبث ہے۔

علم دین حاصل کرنے سے بڑھ کر نیکی اور کیا ہوسکتی ہے اور تبلیغ دین سے بڑھ کر اور سعادت کیا ہوسکتی ہے، لیکن اگر یہی مقدس کام اپنی دنیا آراستہ کرنے اور دنیاوی مفاد حاصل کرنے کے لئے کئے جائیں تو اکارت چلے جاتے ہیں اور لوگ آخرت کے اجر سے محروم ہوجاتے ہیں، چند احادیث ملاحظہ ہوں:

1- حضرت مالک بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے علم اس لئے حاصل کیا کہ علماء پر اپنی برتری ظاہر کرے یا بے وقوف لوگوں سے بے مقصد بحث کرے یا لوگوں کا رُخ عقیدت اپنی جانب پھیر دے (تو یہ علم) اُسے جہنم میں داخل کردے گا۔“ (ترمذی: 2654)

2- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ علم جو صرف اللہ کی رضا کے لئے حاصل کرنا چاہئے، کوئی شخص اُسے کسی دنیاوی مقصد کے حصول کے لئے حاصل کرتا ہے، تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔“ (ابن ماجہ: 252)

3- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: قیامت کے دن سب سے پہلے جس شخص کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا، وہ شہید ہوگا، اس کو بلایا جائے گا اور اُسے اُس کی نعمتیں دکھائی جائیں گی، جب وہ اُن نعمتوں کو پہچان لے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا، وہ کہے گا: میں نے تیری راہ میں جہاد کیا حتیٰ کہ شہید ہوگیا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو جھوٹ بولتا ہے، بلکہ تو نے اس لئے قتال کیا تھا تاکہ تو بہادر کہلائے، سو تجھے بہادر کہا گیا، پھر اُسے منہ کے بل لاکر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ ایک شخص نے علم حاصل کیا اور لوگوں کو تعلیم دی اور قرآن مجید پڑھا، پس اُسے لایا جائے گا اور اس کو اس کی نعمتیں دکھائی جائیں گی، جب وہ اُن نعمتوں کو پہچان لے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے ان نعمتوں سے کیا کیا، وہ کہے گا: میں نے علم پڑھا اور پڑھایا اور میں نے تیری خاطر قرآن کی تلاوت کی، اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ تو نے جھوٹ بولا، بلکہ تم نے علم اس لئے حاصل کیا کہ تجھے عالم کہا جائے اور قرآن اس لئے پڑھا کہ تو قاری کہلائے، سو تجھے (دنیا میں) عالم اور قاری کہا گیا، پھر اُسے منہ کے بل لاکر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے وسعت عطا کی اور ہر قسم کے مال سے نوازا، سو اُسے قیامت کے دن لایا جائے گا اور اُس کی نعمتیں اسے دکھائی جائیں گی اور وہ انہیں پہچان لے گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے ان

نعمتوں سے کیا کام لیا، وہ کہے گا: اے اللہ! ہر وہ راستہ جو تجھے پسند ہے، میں نے اُس میں اس مال میں سے خرچ کیا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے جھوٹ بولا، تو نے تو یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ تجھے سخی کہا جائے، سو (دنیا میں) تجھے سخی کہا گیا، پھر حکم ہوگا اور اُسے اوندھے منھ آگ میں ڈال دیا جائے گا۔"

(صحیح مسلم:1905)

اس حدیث پاک میں جن تین اعمال کا ذکر ہے، وہ سب اعلیٰ درجے کی نیکیاں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کے لئے بے پایاں، اجر مقدر ہے، لیکن یہ اجر اُن کے لئے ہے جو یہ کام دنیا میں نام ونمود کے لئے نہیں، بلکہ صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لئے کریں، چونکہ ان تینوں افراد نے یہ کام دنیا میں شہرت پانے کے لئے کئے، دنیا میں تو وہ شہرت اُن کو مل گئی، لیکن آخرت کے اجر سے اس لئے محروم ہوئے کہ اُن کے دل اخلاص سے خالی تھے، اس حدیث میں بہت بڑی وعید ہے اور اس کے معیار پر اترنا آسان نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ایسے انجام سے ہم سب کو محفوظ فرمائے۔ معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں جو عالم برزخ کے مشاہدات آپ کو کرائے گئے، اُن میں سے ایک یہ تھا:

"حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شب معراج میں میرا گزر ایک ایسی جماعت پر ہوا جن کے ہونٹوں کو آگ کی قینچیوں سے کاٹا جا رہا تھا، میں نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں، جبریل امین نے کہا: یہ دنیادار خطباء ہیں جو لوگوں کو تو نیکیوں کا حکم دیتے تھے اور اپنے آپ کو بھول جاتے تھے حالانکہ وہ کتاب کی تلاوت کرتے تھے، کیا وہ سمجھتے نہیں ہیں۔ (مسند احمد 12856)

اس حدیث میں بے عمل اور بدعمل خطباء کے لئے بہت بڑی وعید ہے اور اس میں سورۂ بقرہ:44 میں بیان کردہ مضمون کی طرف اشارہ ہے اور الفاظ بھی تقریباً وہی ہیں۔

اخلاص وللّٰہیت کی ایک نمایاں مثال حضرت ماعز بن مالک کی توبہ ہے اُن کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں نہ کوئی مقدمہ دائر ہوا تھا، نہ کوئی پکڑ کر لایا تھا، بلکہ اُن کا ضمیر انہیں قرار نہیں پانے دے رہا تھا اور انہوں نے خود بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوکر عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! مجھے پاک فرما دیجئے۔" اُن کی توبہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے حضور اخلاص سے معمور تھی تو ایسی توبہ کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر پوری امت کے گناہگاروں میں تقسیم کردی جائے تو اُن سب کے لئے کافی ہوجائے۔"

(صحیح مسلم:1695 ملخصاً)

मजलिस तहक़ीक़ात व नशरियाते इस्लाम की हिन्दी पुस्तकें

किताब का नाम	लेखक	मूल्य
मन्सबे पैगम्बरी	मौ0 सै0 अबुल हसन अली हसनी नदवी	100.00
नबियों के क़िस्से 1,2	"	120.00
नबी–ए–रहमत	"	250.00
दस्तूरे हयात (जीवन का पथ–प्रदर्शक)	"	70.00
सभ्यता और संस्कृति पर इस्लाम की	"	70.00
भारतीय मुसलमान एक दृष्टि में	"	80.00
मदीने की डगर	"	70.00
मानवता का संदेश	"	50.00
मानवता का स्तर	"	50.00
अच्छे–अच्छे नाम अल्लाह के	"	25.00
इस्लाम एक परिचय	"	40.00
इस्लाम क्या है?	मौलाना मनज़ूर नोमानी	60.00
आदर्श शासक	मौलाना अब्दुस्सलाम क़िदवाई नदवी	35.00
तूफान से साहिल तक	मो0 असद	50.00
मुहम्मद सल्लल्लाहु अलैहि वसल्ल	मौलाना सैय्यद मो0 राबे हसनी नदवी	250.00
तोहफ–ए–रमजान	"	40.00
हमारे हुज़ूर	अमतुल्लाह तसनीम	20.00
इस्लाम और इस्लामी	मौलाना इलियास नदवी भटकली	35.00
सीरत सुलतान टीपू शहीद	"	220.00
	Total	1635.00
	Rate After Disc & Including Postal Charges	1000.00

Ph.: 0522-2741539, A/c : 10863759700, SBI Main Br. Lucknow, IFSC : SBIN0000125

مسلم حکمراں، امت اور دین کے غدار

شہنواز فاروقی

اپنے مذہب، تہذیب اور تاریخ کے اعتبار سے مسلم دنیا بے پناہ امکانات کی دنیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا مذہب بے مثال ہے۔ مسلمانوں کی تہذیب لاجواب ہے مسلمانوں کی تاریخ شاندار ہے۔ مسلمانوں کے پاس مادی وسائل کی بھی کمی نہیں، دنیا کے تیل کے معلوم ذخائر کا 70 فیصد مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے مسلمانوں کے پاس 57 آزاد ریاستیں ہیں۔ جدید اصطلاح میں بات کی جائے تو مسلمانوں کے پاس ایک ارب 60 کروڑ انسانوں کی ''منڈی'' ہے۔ مگر اس کے باوجود بساط عالم پر مسلم دنیا کی کوئی حیثیت نہیں اور مسلمان جگہ جگہ پٹ رہے ہیں۔ ان حقائق میں ایک گہرا تضاد ہے اور اس کو سمجھنے پر ہی مسلم دنیا کے بہتر مستقبل کا انحصار ہے۔

مسلمانوں کے لئے مثالی عروج کی دو ہی بنیادیں ہیں، ایک تقویٰ یا تعلق باللہ اور اس کے حوالے سے اتباع سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ دوسری علم میں درجہ کمال کا حصول۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں فضیلتوں کا راستہ قرآن مجید فرقانِ حمید سے مسلمانوں کے تعلق سے ہو کر گزرتا ہے۔ لیکن مسئلہ ترجیحات کے تعین کا بھی ہے، اور ترجیحات کے تعین کا اختیار حکمرانوں کے پاس ہوتا ہے۔ عربی ضرب المثل ہے کہ مچھلی ہمیشہ سر کی جانب سے سڑتی ہے۔ اس بات کا مطلب یہ ہے کہ پہلے معاشرے کے بالائی طبقات خراب ہوتے ہیں۔ معاشرے کے نچلے طبقات جب بالائی طبقات کو خراب ہوتے دیکھتے ہیں تو وہ بھی خرابیوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ بالائی طبقات میں اہم ترین طبقہ حکمرانوں کا ہے، عوام مزاجاً اور اپنی علمی و اخلاقی اہلیت کی کمی کی وجہ سے طاقت مرکز بلکہ طاقت پرست ہوتے ہیں۔ وہ جب تک طاقت کے مرکز کو صراطِ مستقیم پر چلتا دیکھتے ہیں خود بھی صحیح راستے پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر حکمراں عیش پرست، دنیادار اور بیرونی طاقتوں کے آلہ کار بن جاتے ہیں تو عوام کا اخلاق، کردار، تہذیب، مزاج غرض یہ کہ سب کچھ تباہ ہوجاتا ہے۔ بدقسمتی سے ہم گذشتہ پچاس سال کے دوران اقتدار پر قابض ہونے والے مسلم دنیا کے حکمرانوں کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ تلخ حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے کہ مسلم دنیا کے حکمرانوں کی عظیم اکثریت اپنے مذہب، اپنی تہذیب اور اپنی تاریخ کی غدار ہے۔ وہ اگر وفادار ہیں تو اپنے طبقاتی گروہی، ادارتی، خاندانی اور ذاتی مفاد کے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم دنیا کی بادشاہت بھی جھوٹی ہے، جمہوریت بھی جھوٹی ہے، یہاں تک کہ علماء کی اکثریت کو بھی حکمراں جب چاہیں ''درباری علماء'' میں ڈھال سکتے ہیں۔ بدقسمتی سے مذہبی دائرے میں بھی کہیں حقیقی مذہبیت موجود نہیں، کہیں فرقہ پرستی کا راج ہے، کہیں مسلک پرستی حکمرانی کررہی ہے۔ مذہب ایک نظریاتی قوت کے طور پر کہیں موجود نہیں، یا پھر وہ تمام بین الاقوامی قوتوں اور ان کے مقامی آلہ کاروں کا ہدف ہے۔ مگر سردست ہمارا موضوع مسلم دنیا کے حکمراں ہیں۔ مسلم دنیا کے حکمرانوں کو سمجھنا ہو تو سعودی عرب کے ولی عہد یا Crown Prince محمد بن سلمان عرف MBS کی شخصیت، فکر اور اقدامات کو سمجھ لینا کافی ہے۔

سعودی عرب مسلمانوں کا روحانی مرکز ہے۔ یہاں مکہ معظمہ ہے مدینہ منور ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو مسلم دنیا میں سعودی عرب کی حیثیت دل کی سی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سعودی عرب اپنے قیام سے اب تک ایک مذہبی ریاست ہے۔ بلاشبہ سعودی عرب میں بادشاہت ہے، مگر اس بادشاہت نے اپنے تشخص کو ہمیشہ مذہب سے منسلک کیا ہے۔ سعودی عرب اپنے مذہبی تشخص کے حوالے سے بڑی حد تک امت پرست رہا ہے، مسلم دنیا کا شاید ہی کوئی ملک ہوگا جس کی سعودی عرب نے مالی مدد نہیں کی ہوگی۔ یہ سعودی عرب کا مذہبی تشخص ہی تھا جس نے شاہ فیصل شہید جیسا حکمراں پیدا کیا، شاہ فیصل عرب وعجم کی تفریق سے بلند تھے۔ وہ اگر صرف بادشاہ ہوتے تو کبھی مغرب کی مزاحمت نہ کرتے اور تیل کو ہتھیار کے طور پر استعمال نہ کرتے بادشاہوں کو بادشاہت عزیز ہوتی ہے، اور اس سے بھی زیادہ جان عزیز ہوتی ہے۔ شاہ فیصل نے مغرب کی عملی مزاحمت کر کے ثابت کیا کہ انہیں نہ بادشاہت عزیز تھی، نہ جان عزیز تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی مسلم دنیا میں کروڑوں لوگ شاہ فیصل کو یاد کرتے ہیں اور ان سے محبت کرتے ہیں۔ مگر اپنے اس پس منظر کے باوجود سعودی عرب ''انقلاب'' کہلانے والی ''اتھل پتھل'' کی زد میں ہے اور اس اتھل پتھل کا مرکز محمد بن سلمان کی شخصیت اور ان کا طرز فکر وعمل ہے۔ محمد بن سلمان نے ولی عہد بنتے ہی سعودی عرب کے شاہی خاندان کی پانچ سو اہم شخصیات کو قید کر لیا اور ان سے سو ارب ڈالر سے زیادہ وصول کیے۔ اس اقدام کا مقصد حریفوں کو راستے سے ہٹانا اور اپنی پوزیشن مستحکم کر کے بادشاہ بننے کی راہ ہموار کرنا تھا۔ اگرچہ اس عمل پر بھی اعتراض کی گنجائش ہے، مگر یہ صورتِ حال اپنی اصل میں سعودی عرب کے شاہی خاندان کا داخلی معاملہ ہے۔ بادشاہوں میں کیا، اب تو جمہوریتوں میں بھی اس طرح کے واقعات عام ہیں لیکن مسئلہ محض محمد بن سلمان کے ولی عہد یا بادشاہ بننے کا نہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ محمد بن سلمان اچانک 32 سال کی عمر میں ''روشن خیال'' ہو گئے ہیں۔ مغرب میں روشن خیالی کی ایک تاریخ ہے، اور اس تاریخ میں ایک زوال کے معنوں میں ہی سہی ایک ''تدریج'' یا جیسا کہ مغرب کہتا ہے ایک ''ارتقاء'' پایا جاتا ہے۔ محمد بن سلمان بھی کسی ''نئے علم'' سے دوچار ہوئے ہوتے اور ان کی فکر میں بھی ایک تدریج یا ارتقاء نظر آیا ہوتا تو ان کی روشن خیالی افسوس ناک ہونے کے باوجود قابل فہم ہوتی۔ مگر اس سلسلے میں محمد بن سلمان کا قصہ یہ ہے کہ وہ رات کو راسخ العقیدہ مسلم دنیا میں کہیں Made in America ہوتا ہے اور کہیں Made in Europe۔ اس طرح کا تغیر یہ بھی بتاتا ہے کہ اس کا مقصد امریکہ یا یورپ، یا دونوں کو خوش کر کے اپنے اقتدار کی راہ ہموار کرنا اور اپنے اقتدار کو دائمی طور پر استحکام مہیا کرنا ہوتا ہے۔ اس طرح کے تغیرات کی زد میں آنے والے امریکہ اور یورپ کی طرف اشارہ کیے بغیر اپنے لوگوں اور اپنے حریفوں کو بتاتے ہیں۔ ہم ''ان کے'' ہیں، ہمارا پوچھنا کیا

لیکن مسئلہ صرف اتنا سا نہیں ہے، محمد بن سلمان نے ولی عہد بنتے ہی اعلان کیا کہ سعودی عرب آئندہ برسوں میں تفریحی صنعت پر 64 ارب ڈالر صرف کرے گا۔ تفریحی ادارے General Entertainment Authority کے سربراہ عقیل الخطیب نے ریاض میں نیوز کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ ہم تفریحی شعبے کے لئے بنیادی ڈھانچہ تیار کر رہے ہیں اور صرف 2018ء میں ملک کے اندر پانچ ہزار سے زیادہ تفریحی پروگرام ہوں گے۔

مذکورہ بالا چند سطور سعودی عرب کے حوالے سے ایٹمی حملے کی اطلاع سے کم اہم نہیں۔ سعودی معاشرہ بہرحال ایک مذہبی معاشرہ ہے۔ اعداد و شمار کے مطابق سعودی عرب کی آبادی 3 کروڑ 20 لاکھ سے کچھ زیادہ ہے۔ اتنی چھوٹی آبادی پر محمد بن سلمان 64 ارب ڈالر کی تفریح مسلط کریں گے، اس تفریح میں فلمیں ہوں گی، موسیقی ہوگی، جوئے خانے ہوں گے۔ شاید نائٹ کلب بھی ہوں۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب 10 سال میں ان تمام تفریحات پر 64 ارب ڈالر صرف ہوں گے تو سعودی

عرب کی 2 کروڑ آبادی کی روحانیت، اخلاقیات، تہذیب وثقافت اور ذہنی حالت کا کیا عالم ہو جائے گا؟

دو کروڑ لوگوں پر ایٹم بم سے لاکھوں لوگ مر جائیں گے محمد بن سلمان کے ''تفریحی بم'' سے لاکھوں سعودی باشندوں کی باطنی اور ظاہری شخصیت فنا ہو جائے گی۔ اہم بات یہ ہے کہ یہ تفریحی بم وہاں گرے گا جہاں مکہ ہے۔ جہاں مدینہ ہے، جہاں کعبہ ہے، جہاں روضۂ رسولؐ ہے۔ جہاں سے اسلام کا آغاز ہوا، اس مسئلے کا ایک پہلو یہ ہے کہ سعودی حکمرانوں اور سعودی معاشرے کی روحانیت اور مذہبیت جیسی بھی ہو، سعودی عرب آج بھی مکہ اور مدینہ کی وجہ سے مسلمانوں کی عظیم اکثریت کے لئے روحانیت، اسلامی تہذیب اور اسلامی تاریخ کی ایک ''علامت'' ہے۔ اس علامت پر محمد بن سلمان کا تفریحی بم گرے گا تو علامت کا بھرکس نکل جائے گا، اور اس کے روحانی، اخلاقی نفسیاتی اور ذہنی اثرات پوری مسلم دنیا پر مرتب ہوں گے۔ سوال یہ ہے کہ محمد بن سلمان کا مسئلہ کیا ہے؟

محمد بن سلمان نے اپنے دورۂ امریکہ میں معروف خاتون صحافی ندرہ اوڈونل کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ ہم 1979ء سے قبل ایک "Normal" زندگی بسر کر رہے تھے۔ عورتیں گاڑیاں چلا رہی تھیں، سعودی عرب میں سینما ہال موجود تھے جن میں فلمیں دیکھی جا رہی تھیں۔ مگر پھر 1979ء میں ایران میں انقلاب آ گیا اور خانہ کعبہ پر انتہا پسندوں نے قبضہ کر لیا۔ ان دو واقعات نے سب کچھ بدل دیا۔

سعودی عرب کے ممتاز صحافی جمال خشوگی نے ''واشنگٹن پوسٹ'' میں شائع ہونے والے اپنے ایک مضمون میں محمد بن سلمان کی ان دونوں باتوں کی تردید کی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ 1979ء سے پہلے سعودی عرب میں کوئی عورت کار ڈرائیو کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی۔ خشوگی کے بقول سعودی عرب میں گشتی سنامی موجود تھا لیکن اس سینما سے چوری چھپے ''استفادہ'' کیا جاتا تھا۔ پہرے دار پہرہ دیتے تھے اور جیسے ہی سعودی پولیس کے آنے کا اندیشہ ہوتا تھا، پہرے دار فلم دیکھنے والوں کو خبردار کر دیتے تھے اور وہ بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔ خشوگی کے بقول ان کے ایک عم زاد یا کزن کی ایک بار فرار ہوتے ہوئے ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔

بہرحال اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ سعودی عرب 1979ء کے بعد Abnormal بن گیا تھا، تو مسئلہ یہ ہے کہ محمد بن سلمان اب جو کچھ کر رہے ہیں وہ Abnormal کو ترک کر کے Super Abnormal کو اختیار کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ یعنی محمد بن سلمان سعودی عرب کو Abnormal سے Super Abnormal کی طرف لے جا رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مسئلہ صرف فلم دیکھنے یا موسیقی سننے کا نہیں مسلم دنیا کے ہر ملک میں فلمیں دیکھی جا رہی ہیں اور موسیقی سنی جا رہی ہے۔ لیکن مسلم دنیا کیا مغرب کے کسی ملک میں بھی دو کروڑ افراد کو فلمیں دکھانے، موسیقی سنوانے اور جوا کھلوانے پر 64 ارب ڈالر صرف نہیں کئے جا رہے ہیں۔

تسلیم کہ محمد بن سلمان بہت روشن خیال، بہت مہذب، بہت جدید اور بہت Contemporary ہو گئے ہیں اور وہ سعودی عرب کو بھی ایسا ہی بنانا چاہتے ہیں۔ لیکن اگر ایسا ہے تو انہیں پہلی تبدیلی سعودی عرب کے سیاسی نظام میں کرنا چاہئے تھی۔ انہیں ولی عہد بنتے ہی اعلان کرنا چاہئے تھا کہ اب سعودی عرب میں بادشاہت نہیں چلے گی۔ اب سعودی عرب میں جمہوریت ہوگی، اس لئے کہ بادشاہت ''تاریک خیالی'' ہے اور جمہوریت ''روشن خیالی'' اس لئے کہ بادشاہت ''قدیم'' ہے اور جمہوریت ''جدید''۔

مگر محمد بن سلمان نے ایسا کچھ نہیں کیا وہ سعودی عرب میں بادشاہت ہی دیکھنا چاہتے ہیں۔ کتنی عجیب بات ہے کہ محمد بن سلمان کو سیاسی نظام تو صدیوں پرانا پسند ہے اور تفریح اور اس سے نمودار ہونے والی اخلاقیات اور تہذیب انہیں 21ویں صدی

کی درکار ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قدامت بھی جھوٹی ہے اور جدیدیت بھی جھوٹی۔ ان حقائق کی وجہ سے وہ Prince Crown کم اور Prince Clown زیادہ نظر آنے لگے ہیں۔

ساری دنیا جانتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت، ملوکیت میں تبدیل ہوگئی۔ مگر مسلم دنیا کے دانشوروں کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ خلافت عثمانیہ میں مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی ایک آدھ جھلک موجود تھی۔ یہی وجہ ہے کہ برصغیر کے مسلمانوں نے خلافت عثمانیہ کے خاتمے کی راہ روکنے کے لئے خلافت تحریک برپا کی۔ مگر محمد بن سلمان کا معاملہ یہ ہے کہ انہیں اخوان اور حماس ہی زہر نہیں لگتے بلکہ انہیں طیب اردغان بھی اس لئے پسند نہیں کہ ان کے نزدیک وہ خلافت عثمانیہ کا احیاء چاہتے ہیں۔ ایک خبر کے مطابق محمد بن سلمان نے کہا ہے کہ ترکی بدی کے مثلث کا حصہ ہے۔ مصری اخبار ''الشروک'' کے حوالے سے اخبار نے لکھا کہ محمد بن سلمان نے کہا کہ ترکی اسلامی خلافت کو دوبارہ بحال کرنا چاہتا ہے۔

یہ کتنی عجیب بات ہے کہ سعودی ولی عہد کو تفریح تو 21 ویں صدی کی چاہئے مگر انہیں 21 ویں صدی کی جمہوریت درکار نہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ وہ خلافت کو بھی ناپسند کرتے ہیں۔ ارے بھئی آپ کو ترکی کی خلافت پسند نہیں تو آپ سعودی عرب کو خلافت کا مرکز بنالیں۔ پوری مسلم دنیا سعودی عرب کے ساتھ کھڑی ہو جائے گی اور اس کے پیچھے چلے گی۔ مگر آپ چاہتے ہیں کہ اچھا کام نہ کوئی اور کرے اور نہ اس کا صدور آپ کی ذات سے ہو۔ واہ کیا روشن خیالی، کیا اعتدال پسندی اور کیا Normalacy ہے۔

ساری دنیا جانتی ہے کہ اخوان المسلمین عرب دنیا کی پُرامن اسلامی تحریک ہے، اخوان جمہوری بھی ہے اور اعتدال پسند بھی۔ اخوان اعتدال پسند نہ ہوتی تو شاہ فیصل 1970ء کی دہائی میں اخوان کو اپنے قریب نہ لاتے۔ شاہ فیصل وہابیت کی سختی سے عاجز تھے اور وہ چاہتے تھے کہ اخوان کی نرمی اور اعتدال وہابی مسلک کی جگہ لے لے۔ مگر سعودی ولی عہد اخوان کے خون کے پیاسے ہوگئے ہیں اور انہوں نے اخوان کو پوری عرب دنیا میں دہشت گرد تحریک بنا کر کھڑا کر دیا ہے۔ مسلم دنیا کے مرکزی دھارے کی ایک پرامن اور جمہوری تحریک کو دہشت گرد باور کرانا امریکہ، یورپ اور اسرائیل کا ایجنڈا تو ہوسکتا ہے مگر کسی مسلمان کا ایجنڈا نہیں ہوسکتا۔ ایک خبر کے مطابق بالی ووڈ کی معروف اداکارہ Natalie Portman کو بیت المقدس میں ہونے والی تقریب میں شرکت کرنا تھی، اس تقریب میں اسے ایوارڈ دیا جارہا تھا جس کی مالیت دوملین ڈالر تھی، مگر بالی ووڈ کی اس اداکارہ نے کہا کہ وہ اسرائیل کے فلسطینیوں پر ظلم کی سخت خلاف ہے۔ چنانچہ وہ تقریب میں شرکت نہیں کرے گی۔ یہ صرف ایک اداکارہ کا مسئلہ ہی نہیں بلکہ معروف پاپ گلوکارہ شکیرا نے حال ہی میں کہا ہے کہ وہ اسرائیل میں اپنے فن کا مظاہرہ نہیں کرے گی، اور اس کی وجہ اسرائیل کے مظالم ہیں۔ یہ ''گناہگار'' اداکاروں اور گلوکاروں کا رویہ ہے اور مکہ اور مدینہ کے ''خادم'' محمد بن سلمان نے اسرائیلی وزیراعظم بنجامن نیتن یاہو سے عمان میں مبینہ طور پر خفیہ ملاقات کی۔ ایک اسرائیلی اخبار کے مطابق یہ ملاقات عمان کے شاہی محل میں ہوئی۔ اس موقع پر ڈونالڈ ٹرمپ کے داماد جیرڈ کشنر اور مشرق وسطیٰ کے لئے امریکہ کے سفیر جیسن گرین بیلٹ بھی موجود تھے۔

اطلاعات کے مطابق محمد بن سلمان حماس کے تو خلاف ہیں ہی، انہوں نے فلسطینی اتھارٹی کے سربراہ محمود عباس کو بھی ایک طرف پھینک دیا ہے۔ اطلاعات کے مطابق محمد بن سلمان فلسطین کے دو ریاستی حل کے بھی خلاف ہوگئے ہیں اور وہ فلسطینیوں سے کہہ رہے ہیں کہ اسرائیل تمہیں جو کچھ دے اور امریکہ جو کچھ دلوائے، خاموشی سے قبول کرلو۔

کہنے کو محمد بن سلمان امریکہ کے ''اتحادی'' بن گئے ہیں۔ وہ ڈونالڈ ٹرمپ کے بہت ''قریب'' سمجھے جارہے ہیں۔ امریکہ اور یورپ انہیں ''مدبر'' اور ''مصلح'' قرار دے رہے ہیں۔ محمد بن سلمان نے امریکہ پر ڈالروں کی بارش کردی ہے۔ انہوں نے امریکہ سے ساڑھے تین سو ارب ڈالر کے ہتھیار خریدنے کا معاہدہ کیا ہے۔ امریکہ اور یورپ میں سعودی عرب کے ولی عہد کے ''گیت'' گائے جارہے ہیں، مگر اصل صورت حال کیا ہے، ڈونالڈ ٹرمپ سے سنئے۔

''امریکی صدر ڈونالڈ ٹرمپ نے واشنگٹن میں قومی سلامتی کونسل کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ عرب ممالک ہمارے فوجی اخراجات برداشت کریں۔ انہوں نے کہا کہ عرب ممالک (یعنی عرب حکمراں) امریکہ کی حمایت کے بغیر دو ہفتے بھی اپنی بادشاہتیں نہیں بچاسکتے۔''

ڈونالڈ ٹرمپ کے بیان سے ظاہر ہے کہ محمد بن سلمان سمیت تمام عرب حکمرانوں کی اصل ''اوقات'' اور ان کا اصل ''مصرف'' کیا ہے؟ اس تناظر میں دیکھا جائے تو مسلم دنیا کے حکمران اپنے مذہب، اپنی تہذیب، اپنی تاریخ، اپنی امت اور اپنی قوموں کے غدار کے سوا کیا ہیں؟

ooo

رضوان کے سالانہ خریداروں سے گزارش

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ماہنامہ رضوان کی اشاعت خالص تبلیغی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ کوئی تجارتی کاروباری مفاد اس اشاعت میں پیش نظر نہیں ہے۔ چنانچہ ۴۰ صفحات کے اس رسالے کی قیمت انتہائی کم (فی شمارہ صرف تیس روپے اور سالانہ خریداری -/300 روپے) ہے۔ ہمارے پیش نظر نفع بخش کاروبار نہیں بلکہ ہم اپنے وسائل میں رہتے ہوئے رضوان کے ذریعے بیش بہا مضامین شائع کرتے ہیں۔ اس ضمن میں رضوان کے سالانہ خریدار بھی اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔ اگر تمام سالانہ خریدار اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بروقت اپنی سالانہ رقوم ''ادارہ رضوان'' کو بھیج دیں تو وہ بھی ہماری ان تبلیغی کوششوں میں معاون ہوں گے۔

سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ مدت خریداری ختم ہونے پر زر سالانہ کی ترسیل میں جلدی فرمائیں۔ ہر ماہ سرخ نشان کے ذریعہ ان کو اطلاع دی جاتی ہے۔ اور منی آڈر فارم بھی روانہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ یاددہانی ہوسکے۔

یاد رکھئے! زر سالانہ کی بروقت عدم وصولی سے ادارے پر مالی بوجھ بڑھتا ہے اور پچھلے کچھ عرصے سے اس میں اضافہ ہی ہوا ہے لہٰذا سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ رضوان کی مدت خریداری ختم ہوتے ہی زر سالانہ کی ادائیگی کریں تاکہ ادارے پر مالی بوجھ نہ پڑے بصورت دیگر اگر آئندہ ''رضوان'' خریدنا نہیں چاہتے، تب بھی خط لکھ کر یا بذریعہ فون اس بارے میں دفتر رضوان کو مطلع فرمادیں۔ نیز اپنا خریداری نمبر یا جس نام سے رسالہ جاری ہے وہ پتہ صاف اور خوشخط ضرور لکھیں۔ آپ کا تعاون اس دینی سعی وکاوش میں ہمارے لئے نہایت اہم اور ''رضوان'' کے معیار میں اضافے کے ساتھ آپ کیلئے کار خیر کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

قارئین رضوان سے گذارش ہے وہ اپنا سالانہ چندہ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں جمع کرسکتے ہیں۔

Bombay Mercantile Co-operative Bank, Lucknow-18

Name of Account "RIZWAN MONTHLY", Account No. : 205110100005299

IFSC Code : UTIBOSBMCBI

نوٹ: رقم ڈالنے کے بعد دفتر کو مطلع ضرور کریں ورنہ رقم آپ کے کھاتہ میں منتقل نہ ہوگی۔ اس نمبر پر مطلع کریں **Cantt. No. : 9415911511**

مفتی راشد حسین ندوی

سوال وجواب

س: قربانی کس کے اوپر واجب ہوتی ہے؟

ج: قربانی ہر اس مقیم مسلمان پر واجب ہوتی ہے جو صاحب نصاب ہو، یعنی 612 گرام چاندی، 87 گرام سونا، یا دونوں میں سے کسی کے بقدر روپیہ پیسہ یا مال تجارت موجود ہو، قربانی واجب ہونے کے لئے اس مال پر سال گزرنا بھی شرط نہیں ہے، اگر ایام قربانی میں اتنے مال کا مالک تھا تو اس پر قربانی واجب ہوجائے گی۔ نہ ہی اس میں مال نامی (یعنی ایسا مال جو بڑھتا تھا ہو) ہونا شرط ہے، لہٰذا اگر کسی کے پاس دو مکان ہوں، ایک مکان میں رہتا ہو اور دوسرا کرایہ پر اٹھائے ہو یا خالی پڑا ہو تو اگر وہ اوپر بتائے ہوئے نصاب کی مالیت تک پہنچ رہا ہو تو اس پر قربانی واجب ہوجائے گی۔

(ہندیہ-5/292، بدائع-4/195)

س: قربانی کے جانور بکرا گائے بھینس اور اونٹ ہیں، شریعت نے ان کی قربانی کی صحت کے لئے کیا عمریں مقرر کی ہیں، اگر اس عمر سے ایک دو مہینہ کم کا جانور ہو تو کیا اس کی قربانی کی جاسکتی ہے؟

ج: بکرا بکری ایک سال سے کم نہ ہونا چاہئے، گائے بھینس دو سال سے اور اونٹ پانچ سال سے کم نہ ہونا چاہئے، اگر ان عمروں سے ایک دن بھی کم ہو تو قربانی صحیح نہیں ہوگی، صرف یہ اجازت بھیڑ اور دنبہ میں ہے کہ اگر وہ چھ مہینے یا اس سے زیادہ کا ہو اور دیکھنے میں ایک سال کا لگتا ہو تو اس کی قربانی کی جاسکتی ہے، بقیہ جانوروں میں یہ چھوٹ نہیں دی گئی ہے۔ یہ واضح رہنا چاہئے کہ حکومت کی طرف سے گائے کی قربانی اور ذبیحہ پر سخت پابندی ہے، لہٰذا اس کی قربانی کرنے سے احتراز کرنا چاہئے۔ (بدائع-4/206)

س: قربانی کے بڑے جانور میں عقیقہ یا ولیمہ کے لئے حصہ لینا درست ہے یا نہیں؟

ج: بڑے جانور میں سات لوگ شریک ہوسکتے ہیں، بس شرط یہ ہے کہ سب ثواب کی نیت سے شریک ہوں، صرف گوشت کی نیت سے کوئی شریک ہوا تو کسی کی بھی قربانی صحیح نہیں ہوتی ہے۔ ولیمہ اور عقیقہ بھی سنت ہیں، لہٰذا ان کے لئے شرکت بھی ثواب حاصل کرنے کے لئے شرکت پائی جاتی ہے، لہٰذا ان دونوں چیزوں کی نیت سے قربانی کے جانور میں شرکت ہوسکتی ہے۔ (ہندیہ 5/204)

س: اگر پہلے سے معلوم ہو کہ یہ جانور حاملہ ہے تو اس کی قربانی کرنا کیسا ہے؟

ج: اگر ولادت کا وقت قریب آ گیا ہو تو اس کی قربانی کرنا مکروہ ہے، اور اگر حاملہ جانور کی قربانی کی اور زندہ بچہ نکلا تو اس کو بھی ذبح کردیا جائے۔

(ہندیہ-5/287، شامی-5/227)

س: اگر کسی نے صحیح سالم جانور قربانی کے لئے خریدا، پھر اس جانور میں ایسا عیب پیدا ہوگیا جس سے قربانی جائز نہیں ہوتی، مثلاً دم مکمل ایک کان یا بکری کے دو تھنوں میں سے ایک تھن کٹ گیا تو اس جانور کی قربانی کرنا کیسا ہے؟

ج: اگر خریدنے والا صاحب نصاب تھا اور اس پر قربانی واجب تھی تو اس پر اس جانور کے بجائے دوسرے صحیح سالم جانور کی قربانی کرنا واجب ہوگا۔ اور اگر کسی پر قربانی واجب نہیں تھی شرعاً وہ مالدار نہیں تھا اور اس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تو وہ اس عیب زدہ جانور کی قربانی بھی کرسکتا ہے، یہ تفصیلات تب ہیں جب یہ عیوب ذبح سے پہلے پیش آئیں، اگر یہ عیوب ذبح کرتے وقت جانور کے اچھلنے کودنے کے سبب پیش آجائیں، یعنی جانور کے اچھلنے کے سبب چھری کان وغیرہ پر غلطی سے لگ جائے تو چاہے مالدار ہو یا غریب، اس جانور کی قربانی کرسکتا ہے۔

(شامی-5/229، بدائع الصنائع-4/216،217)

س: قربانی کرنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

ج: اف[illegible] یہ ہے کہ قربانی اپنے ہاتھ سے کرے۔ اگر یہ نہ ہوسکے تو کم از کم قربانی کے وقت سامنے موجود رہے۔ چھرے پہلے ہی تیز کرلے تاکہ جانور کو کم سے کم تکلیف ہو۔

(بقیہ......صفحہ......42......پر)

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

ڈاکٹر عبدالغنی فاروق

ایک یورپین خاتون فرانسس اسٹرین کی داستان

ذیل کا روحانی سفر ایک ایسی نوجوان یورپین خاتون کا ہے جن کا تعلق ہالینڈ سے ہے۔ ہالینڈ میں اسلام کے خلاف تعصب کا یہ عالم ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو والدین رجسٹریشن کے رجسٹر میں اس کے مذہب کا خانہ خالی چھوڑ دیتے ہیں اور لکھ دیتے ہیں کہ ”بڑا ہو کر یہ جس مذہب کو پسند کرے گا اسے اختیار کرلے گا، سوائے اسلام کے۔“ چنانچہ ہالینڈ میں کتنے ہی لوگ ہیں جو اسلام قبول کرچکے ہیں لیکن اس خوف سے کہ انہیں ملازمت سے برطرف کردیا جائے گا، وہ قبول اسلام کا معاملہ کسی پر ظاہر نہیں کرتے، اب موصوفہ کی روح پرور اور ایمان افروز داستان ملاحظہ فرمائیے۔

○

یورپ میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جنہوں نے کسی اسلامی ملک کا سفر اختیار کیا اور مسلمانوں کے اخلاص، ان کی محبت اور سادگی کا تجربہ کیا اور پھر یورپین معاشرے کی مادہ پرستی، پرتکلف لیکن اخلاص اور محبت سے عاری زندگی سے اس کا مقابلہ کیا تو وہ مسلمان ہوگئے، لیکن جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے، میں نے نہ تو کسی اسلامی ملک کا سفر اختیار کیا اور نہ اسلام قبول کرنے تک کسی مسلمان سے میرا تعارف ہوا۔ یہ صرف میرا ذاتی مطالعہ ہے، جس کے سہارے میں نے روح کی دنیا کا سفر کیا، اس کے مختلف مدارج کو طے کیا، حتیٰ کہ اس کے آخری سرے پر سیدھے اسلام کے صحن میں جا داخل ہوئی۔

میں ایک رومن کیتھولک خاندان میں پیدا ہوئی اور اسی ماحول میں پلی بڑھی، میری تعلیم بھی ایک کانونٹ اسکول میں ہوئی لیکن اسکول کی تعلیم مکمل ہونے تک میں عیسائی بنیادی عقائد کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا ہوچکی تھی...... یعنی تثلیث، حضرت مسیح کی الوہیت، پیدائشی گنہگار ہونے کا تصور اور کفارے کا عقیدہ میری پروان چڑھتی ہوئی عقل کو اپیل نہیں کرسکا تھا، اور نہ صرف یہ سارے عقائد خلاف عقل تھے اور بائبل سے ان کے حق میں کوئی ثبوت نہیں ملتے تھے، بلکہ اپنے نتائج کے اعتبار سے یہ نقصاندہ بھی تھے۔ پھر میں اکثر یہ سوچتی تھی کہ اگر خدا موجود ہے اور وہ نیکی اور سچائی کا منبع ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس نے محض ایک ہی طبقہ کو حق و صداقت سے نواز دیا اور باقی تمام بنی نوع انسان کو غلطی اور گمراہی کے اندھیروں میں جھونک دیا، یہ عمل تو مبنی برانصاف نہیں ہے۔ چنانچہ اسی حوالے سے میرے ذہن میں دو امکانات لہرانے لگتے کہ یا تو سارے مذاہب اپنی اساس اور بنیاد کے اعتبار سے سچے ہیں یا سارے ہی بے بنیاد اور جھوٹے ہیں۔

یہ بات تو ظاہر ہے کہ سارے ہی مذاہب اس یقین کا اعلان کرتے ہیں کہ صرف جسم موت سے دوچار ہوتا ہے، جب کہ روح زندہ و پائندہ رہتی ہے، اور روح کی زندگی کے حامی اس کے ثبوت فراہم کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں، اس لئے میں نے ان کے دعاوی کا مطالعہ شروع کردیا، متعدد دوسرے محققین نے بھی اس حوالے سے اپنے تجربات کو بیان کیا ہے اور اس حوالے سے مکاری اور عیاری کی بھی مثالیں موجود ہیں، مگر نامور سائنس دان سر اولیوراج نے تو اپنی ساری صلاحیتیں اس موضوع کے لئے وقف کردی ہیں، اس لئے میں نے ان کی کاوشوں کو خصوصی توجہ سے پڑھا اور واقعی قائل ہوگئی کہ جسمانی موت کے باوجود روح زندہ رہتی ہے۔

روح کے بارے میں مطمئن ہونے کے بعد میں نے مشرقی مذاہب کا مطالعہ شروع کیا، چونکہ یورپ میں ہندو ویدانت اور یوگا کا تعارف عام تھا، اس لئے میں نے بھی آغاز اسی سے کیا اور ہندو ویدانت اور مذہب کے بارے میں مطالعہ کرنے لگی، اور جلد ہی اپنشد، یوگا، پتن جلی کے فرمودات اور سب سے بڑھ کر بھگوت گیتا سے میں نے خاص روحانی فیضان اور سکون حاصل کرلیا۔ چنانچہ آئندہ کئی سال تک میں اسی ماحول میں

کھوئی رہی، ہندو فلاسفی کا مطالعہ کرتی اور دن کا ایک حصہ مراقبے میں مصروف رہتی۔ میں تسلیم کرتی ہوں کہ اگرچہ ہندو مذہب ذات پات کی شدید جکڑ بندیوں کا ملغوبہ ہے، اس میں بے شمار توہمات بھی ہیں اور بت پرستی بھی، لیکن میں نے محسوس کیا کہ کم از کم نظریاتی اعتبار سے بہت دور جا کر اس مذہب میں روحانی فیضان اور سکون کی گنجائش بہر حال موجود ہے۔

تاہم فلسفہ اور نظریہ بظاہر کتنا ہی کار آمد اور مقدس کیوں نہ ہو، وہ عمل کا بدل نہیں ہوسکتا۔ اس لئے میں آخر کار اس نتیجہ پر پہنچی کہ ویدانت کا فلسفہ ایک انسان کی روزمرہ کی زندگی میں عملی رہنمائی کا سبب نہیں بن سکتا، خصوصاً جب میری شادی ہوگئی اور ننھے بچوں نے میری مصروفیات بڑھادیں تو وہ فرصت اور خلوت ناپید ہوگئی جو مراقبے کے لئے ضروری تھی۔ یوں بھی اتنے سالوں کی ریاضت کے بعد میرا ذہن اس صورتحال پر مطمئن نہ تھا اور میں محض جذبہ و وجدان کے سہارے آخر کب تک چمٹی رہتی۔ تنگ آ کر میں نے ویدانت اور یوگا سے کنارہ کشی اختیار کرلی، اور بدھ مت کا مطالعہ کرنے کا ارادہ کیا۔

ہندومت کے برعکس بدھ ازم ایک بین الاقوامی عقیدہ ہے، اور یورپ میں اس کے لئے ایک ہمدردانہ میلان پایا جاتا ہے، چنانچہ میں نے بدھ مت کے بارے میں لٹریچر حاصل کیا اور دیکھا کہ اس کے فلسفے میں بھی بڑی پیچیدگیاں ہیں، ذہنی الجھاوے ہیں اور عبادت کا ایک مشینی انداز ہے لیکن میں نے محسوس کیا کہ اگر سادہ قسم کا بدھ عقیدہ اختیار کرلیا جائے اور کبھی کبھی مراقبہ کرلیا جائے تو بھی ایک باوقار مذہبی زندگی گزاری جاسکتی ہے، لیکن مشکل یہ تھی کہ عیسائیت کی طرح بدھ مت میں بھی روحانی کمال صرف خانقاہی نظام اور تجردکی زندگی سے مشروط تھا، اور بھرپور معاشرتی زندگی گزارتے ہوئے کوئی فرد خواہ وہ کتنا ہی پاکباز اور باعمل کیوں نہ ہو، اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا، یہ صورتحال میرے نزدیک حیران کن تھی اور حقیقت کے خلاف بھی۔ چنانچہ یہ منظر میری سمجھ سے بالا تھا کہ اگرچہ خانقاہی فضا میں مذہبی زندگی کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونا نسبتاً آسان ہے لیکن یہ اس روحانی پاکیزگی سے برتر اور زیادہ قابل قدر کیسے ہوجاتی ہے جو ایک معروف اور بھرپور معاشرتی زندگی کے مسائل میں رہتے ہوئے حاصل کی جاتی ہے، جب کہ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ موجود ہے کہ تجرد اور خانقاہی مزاج سے انسانی زندگی اور معاشرے کو توالد و تناسل کے حوالے سے ناقابل تلافی نقصان پہنچتا ہے، اور عملی اعتبار سے اس کے تقاضوں کو نبھانا فطرت اور انسانی جبلت کے صریحاً خلاف ہے۔

بدھ مت سے بددل ہوکر میں نے مختلف مذاہب کے تقابلی موازنے کا ارادہ کیا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے مختلف ادیان کے فلسفہ کا مطالعہ شروع کیا اور خصوصاً Dusysbroeck Eckhart جلال الدین رومی اور تاؤتی چنگ سے بہت متاثر ہوئی، چونکہ مراقبے سے گہرا قلبی تعلق قائم کرچکی تھی اس لئے ان سب حضرات کے خیالات و نظریات نے مجھے روحانی اعتبار سے طمانیت اور راحت سے ہمکنار کیا اور ان لوگوں کے تجربات نے میری فکر کو بڑی وسعت عطا کی۔

متذکرہ حضرات کے مطالعے نے میرے اس یقین کو جلا بخشی کہ دنیا میں جتنے بھی بڑے مذاہب ہیں، بنیادی اعتبار سے ان سب کا ماخذ ایک ہے۔ چنانچہ میں متذکرہ حضرات میں سب سے زیادہ جلال الدین رومی سے متاثر ہوئی تھی اور رومی کی مثنوی مجھے اخلاقی اور روحانی اعتبار سے اعلیٰ ترین بلندیوں پر فائز نظر آرہی تھی، اس لئے میں نے ارادہ کرلیا کہ اس شخص کے مذہب سے مکمل آگاہی حاصل کرنی چاہئے۔ اگرچہ یہ تلخ حقیقت بھی اپنی جگہ قائم تھی کہ یورپ میں اسلام کا تعارف بہت ہی منفی بلکہ وحشت ناک صورت میں کرایا گیا تھا، اور اس کے بارے میں مطالعے کا سوچتے ہوئی میں خوف اور تذبذب میں مبتلا ہوچکی تھی کہ یورپ میں جب بھی اسلام کا ذکر آتا تھا، عرب کے وحشی قبائل اور ان کے عیاش حکمراں اپنی تمام تر درندگی اور سفاکی کے ساتھ تصور کو خوفناک بنادیتے تھے۔

لیکن یہ کیا......؟ اسلام کے مطالعے نے تو مجھے ششدر اور مبہوت کردیا۔ میں عیسائیت کی تثلیث اور ہندوؤں کی بت پرستی سے سخت بیزار تھی جب کہ اسلام کے عقیدۂ توحید نے مجھے بے حد متاثر کیا اور خدا سے اس کا گہرا اخلاص اور ہمہ پہلو تعلق مجھے بالکل نئی چیز معلوم ہوئی۔ یہ بھی اندازہ ہوا کہ اسلام عیسائیت، ہندومت اور بدھ ازم کی طرح محض ایک فلسفہ نہیں بلکہ اپنے ماننے والوں کو ایک مکمل قابل عمل ضابطہ حیات بھی عطا کرتا ہے اور اس میں ترقی واستحکام بھی لاتا ہے۔

پھر یہ دیکھ کر بھی خوشگوار حیرت ہوئی کہ اسلام کی تعلیمات بڑی سادہ ہیں اور وہ زمانے کی دست برد سے مکمل محفوظ رہی ہیں، یعنی دیگر مذاہب کی طرح نہ ان میں کوئی ترمیم و تنسیخ ہوئی ہے نہ وہ اتنی پیچیدہ و مشکل بنادی گئی ہیں کہ ان پر عمل نہ کیا جا سکے۔

اسلام کے اس پہلو نے بھی مجھے بے حد متاثر کیا کہ یہاں سارے پیغمبروں کا یکساں احترام کیا جاتا ہے اور کسی ایک پیغمبر کے خلاف معمولی سی بدگمانی بھی ناقابل برداشت ہے۔ یہ میرے لئے ایک خوشگوار انکشاف تھا کہ عیسائیت اور یہودیت دونوں اس خوبی سے محروم ہیں، اور دونوں نہ صرف جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف شدید بغض اور تعصب میں مبتلا ہیں بلکہ بائبل میں مختلف پیغمبروں کے کردار اور حیثیت کو بری طرح مسخ کیا گیا ہے۔ اسلام کا یہ دعویٰ مجھے بہت اچھا لگا اور فطرت کے عین قریب نظر آیا کہ حقیقت کبریٰ ایک ہی ہے، سارے پیغمبر اسی کے داعی اور ترجمان تھے، جب کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ حقیقت مکمل کر دی گئی۔

پھر اس انکشاف سے بھی مجھے بڑی مسرت ہوئی کہ اسلام کی تعلیمات اپنی روح کے اعتبار سے حقیقت پسندانہ اور تعمیری کردار کی حامل ہیں اور دیگر مذاہب کی طرح یہ تعلیمات جسم اور روح کے درمیان کوئی تصادم پیدا نہیں کرتیں، نہ عام انسانی زندگی کے حوالے سے ان کا میلان کسی بے جا رعایت پر مبنی ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان تعلیمات پر عمل کر کے روحانی اعتبار سے محنت اور ارتقاء کے بے شمار مواقع میسر آ سکتے ہیں اور صاف نظر آ رہا تھا کہ زندگی اپنے سارے شعبوں سمیت ان مواقع سے مستفید ہو سکتی ہے اور انسان بھرپور معاشرتی زندگی گزارتے ہوئے بھی اپنے خدا سے گہرا تعلق قائم کر سکتا ہے، اور اس مقصد کے لئے نہ کسی مخصوص مذہبی طبقے کی احتیاج ہے نہ دنیا کو تیاگ کر رسمی قسم کے مراقبوں کی۔

اسلام کا بھرپور مکمل تعارف حاصل ہو گیا تو اندازہ ہوا کہ دراصل میں تو ہمیشہ ہی سے مسلمان تھی۔ خصوصاً اس وقت سے جب میں اس نتیجہ پر پہنچی کہ سارے پیغمبر بنی نوع انسان کے لئے ایک ہی مقدس پیغام لے کر آئے تھے۔ ان کی زبان اور اصطلاحات مختلف تھیں لیکن ان کا مرکز و ماخذ ایک ہی تھا، اور یہ پیغام آخر کار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل ہو گیا اور اپنی محفوظ ترین صورت میں آج بھی قائم و دائم ہے۔

دورِ حاضر میں جب کہ رسل و رسائل کے انتہائی تیز رفتار ذرائع کی بدولت دنیا کے فاصلے سمٹ گئے ہیں اور مختلف قومیں ایک دوسرے کے بہت ہی قریب ہو رہی ہیں، یہ صورتحال یقیناً مفید ثابت ہو سکتی ہے بشرطیکہ عمل کا انداز درست سمت میں ہو، لیکن بدقسمتی سے دیکھنے میں آیا ہے کہ مسلمانوں کی نوجوان نسل یورپی تہذیب سے اس قدر متاثر اور مرعوب ہے کہ وہ اس کی تقلید اور تحسین کا موقع ضائع نہیں کرتی، حتیٰ کہ بعض اوقات اس بے خدا تہذیب کی خاطر اسلامی تعلیمات تک کو پس پشت ڈال دیتی ہے۔

وضاحت کی خاطر عرض کر دوں کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں، جو یورپی تہذیب کو سراپا بدی قرار دیتے ہیں، اس تہذیب کے یقیناً روشن پہلو بھی ہیں۔ سائنسی اور ٹیکنیکل علوم کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا ہے۔ میڈیکل، رفاہ عامہ اور تعلیم کے حوالے سے بے پناہ کام ہوا ہے اور انسانی حقوق کی شناخت قائم ہوئی ہے، لیکن اس تہذیب کا دوسرا پہلو تاریک بھی ہے، مذہبی و اخلاقی قدریں مجروح ہوئی ہیں اور دولت، تفریح، عیاشی عمومی زندگی کا لازمہ بن گئے ہیں۔ معیار زندگی کی ایک دوڑ ہے جس میں ہر شخص مبتلا ہے۔ حیا اور پاک دامنی کا سر عام مذاق اڑایا جاتا ہے، شراب اور زنا اس تہذیب کی پہچان بن گئے ہیں اور خاندانی زندگی کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا ہے۔ چنانچہ میرے نزدیک اس صورتحال میں مسلمانوں کو اپنا کردار ادا کرنے کا ایک سنہرا موقع حاصل ہوا ہے۔ کاش وہ میدان عمل میں اتریں اور اخلاقی اور تہذیبی اعتبار سے دنیا کی رہنمائی کریں۔ یہ صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ اسلام پر ان کا ایمان محکم ہو، اسلامی تعلیمات کو وہ روز مرہ زندگی کا لازمی حصہ بنالیں اور علمی ترقی اور محبت کو وہ اپنا شعار بنالیں اور صحیح اسلامی تناظر میں آگے بڑھنے کی کوشش کریں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یورپی تہذیب کی ذہنی و عملی غلامی سے بچتے ہوئے اس سے صلح جوئی اور مفاہمت کا انداز اختیار کریں۔ حکمت، تدبر اور مفاہمت سے صورتحال میں انقلابی تبدیلی آ سکتی ہے۔ اس طرح نہ صرف یورپ میں اسلام کی پیش رفت ہو سکتی ہے، بلکہ دنیا کا مستقبل ایک خوشگوار ماحول میں ڈھل سکتا ہے۔ ●

مولانا محمد قمر الزماں ندوی
استاد مدرسہ نور الاسلام کنڈہ پرتاپگڑھ

ہر ایک کو اپنے کئے کا انجام بھگتنا ہے

قرآن مجید کی سورہ ہود کی آیت نمبر 106/ تا آیت نمبر 109 میں اللہ تعالی نے اہل دوزخ اور اہل جنت کی صفت اور ان کے انجام نیز خدائی پکڑ کو بیان کیا ہے کہ نیک اور سعید لوگ ہمیشہ ہمیش کے لئے باغ و بہشت یعنی جنت میں ہوں گے اور جو دنیا میں بدبخت اور خدا کے منکر ہوں گے ان کا ہمیشہ کے لئے جہنم ٹھکانہ بنے گا۔ ارشاد خداوندی ہے: "فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ۔ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ۔ وَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا فَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ۔ فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِمَّا يَعْبُدُ هَؤُلَاءِ مَا يَعْبُدُونَ إِلَّا كَمَا يَعْبُدُ آبَاؤُهُمْ مِنْ قَبْلُ وَإِنَّا لَمُوَفُّوهُمْ نَصِيبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوصٍ۔" پھر کچھ لوگ اس روز بدبخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت۔ جو بدبخت ہوں گے وہ دوزخ میں جائیں گے جہاں گرمی اور پیاس کی شدت سے وہ ہانپیں گے اور پھنکارے ماریں گے اور اسی حالت میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے جب تک کہ زمیں و آسمان قائم ہیں۔ الا یہ کہ تیرا رب کچھ اور چاہے۔ بے شک تیرا رب پورا پورا اختیار رکھتا ہے کہ جو چاہے کرے۔ رہے وہ لوگ جو نیک بخت نکلیں گے تو وہ جنت میں جائیں گے اور وہاں ہمیشہ رہیں گے جب تک زمین و آسمان قائم ہیں الا یہ کہ تیرا رب کچھ اور چاہے۔ ایسی بخشش ان کو ملے گی جس کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ پس اے نبی! تو ان معبودوں کی طرف سے کسی شک میں نہ رہ جن کی یہ لوگ عبادت کررہے ہیں۔ یہ تو بس لکیر کے فقیر ہیں اسی طرح پوجا پاٹ کئے جا رہے ہیں جس طرح پہلے ان کے باپ دادا کرتے تھے اور ہم ان کا حصہ انہیں بھرپور دیں گے بغیر اس کے کہ کوئی اس میں کچھ کاٹ کسر ہو۔ قرآن مجید میں اللہ تعالی نے سب سے زیادہ جس حقیقت کو بیان کیا ہے اور سب سے زیادہ اہمیت اور سب سے زیادہ تکرار کے ساتھ جس چیز کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنی موجودہ حالت پر نہیں رہیں گے اور نہ ان کو انہی حالات پر چھوڑ دیا جائے گا بلکہ موت کے بعد وہ خدا کی عدالت میں ضرور اور لازما حاضر کئے جائیں گے وہاں پائی پائی کا ان سے حساب لیا جائے گا اور ہر ایک اپنی کارکردگی کے مطابق جنت یا دوزخ کا حق دار ہوگا۔ قرآن مجید میں اس حقیقت کو کثرت سے بیان کیا گیا ہے کہیں اللہ تعالی نے یہ فرمایا۔ "إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ" بیشک پھر ان کو ہماری طرف ہی لوٹنا ہے پھر ہمیں کو ان کا حساب لینا ہے۔ کہیں اللہ تعالی نے بندوں کو یوں خطاب فرمایا: "أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ" کیا تم لوگوں نے گمان کر رکھا ہے کہ ہم نے تم کو یوں ہی پیدا کر دیا ہے اور تم لوگوں کو لوٹ کر ہماری طرف نہیں آنا ہے۔ ان تمام حقائق کے باوجود لوگ بے عملی کے شکار ہیں آخرت کو بھلائے بیٹھے ہیں آخرت کی تیاری سے غافل ہیں اور دنیاوی ہوس کے شکار ہیں دنیا کو دین پر ترجیح دے رہے ہیں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے لوگوں کے اندر خشیت اور خوف کیوں نہیں ہے آخرت کی پکڑ سے بے خوف کیوں ہیں؟ اس کی بنیادی وجہ لوگوں کا شک ہے۔ لوگ دیکھتے ہیں کہ زمین پر بے شمار انسان ایسے ہیں جو خدا کی ہدایت کو نہیں مانتے۔ بے شمار انسان ایسے ہیں جو خدا کی ہدایت سے آزاد ہو کر عمل کرتے ہیں۔ بیشتر انسان خدا پسند زندگی کے بجائے خود پسند زندگی گزار رہے ہیں رب چاہی زندگی کو چھوڑ کر من چاہی زندگی گزار رہے ہیں۔ پھر بھی ان کا کچھ نہیں بگڑتا۔ پھر بھی سارے لوگ کامیاب ہیں۔ بظاہر یہاں کہیں نہیں دکھائی دیتا کہ خدا کے وفاداروں کو کوئی خصوصی انعام مل رہا ہو۔ یا خدا کے نافرمانوں

کو کوئی خاص سزا بھگتنی پڑتی ہو۔ اس بنا پر لوگوں کو شک ہونے لگتا ہے۔ ان کو یقین نہیں آتا کہ انسانوں کا اصل انجام مسلسل وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اس کے سوا بھی کوئی انجام ان کے لئے مقدر ہے۔ یہاں قرآن بتاتا ہے کہ لوگوں کا مسلسل غیر حق پر چلنا اس لئے نہیں ہے کہ انہوں نے مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور کیا اور پھر اس کو معقول پا کر اسے اختیار کر لیا۔ اس کا سبب اصل میں رواج کی پیروی ہے نہ کہ دلیل اور معقولیت کی پیروی۔ اس کے باوجود لوگوں کے عمل کا انجام ان کے سامنے نہیں آتا تو اس کا سبب مہلت امتحان ہے۔ زمین پر موت سے پہلے کی زندگی جانچ کی زندگی ہے۔ اس لئے موت تک انسان کو یہاں ڈھیل دی جا رہی ہے کہ وہ جو چاہے بولے اور جو چاہے کرے۔ موت اس مقررہ مدت کا خاتمہ ہے۔ موت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو مقام امتحان سے اٹھا کر مقام عدالت میں پہنچا دیا جائے۔ وہاں ہر ایک کو وہی ملے گا جس کا وہ فی الواقع مستحق تھا اور ہر ایک سے وہ چھن جائے گا جس کو اس نے استحقاق کے بغیر اپنے گرد جمع کر رکھا تھا۔

(مستفاد تذکیر القرآن صفحہ 606)

○○○

بقیہ...... شادی میں اسراف اور اس کا انجام

ایسے ماں باپ جیتے جی مرنے لگتے ہیں اور اگر صحیح تربیت اور صحیح ماحول نہ ہو تو بے راہ روی کے دروازے بھی کھلنے لگتے ہیں۔ اس طرح ایک شخص کا اسراف دوسرے کتنے لوگوں کی تباہی کا سامان بن جاتا ہے۔ اس ہندوستان میں پھیلی جہیز کی بیماری کی وجہ سے ماں باپ لڑکیوں کی پیدائش کو ہی قبول نہیں کرتے۔

ہم پر لازم ہے کہ ہم ایسی شادیوں کا نمونہ پیش کریں جو اسراف سے خالی ہو اور اسلامی شادی کی مثال ہو، اس قسم کی شادی کی برکت سے غریب گھروں کی بیٹیاں بھی اپنے سسرال کا گھر دیکھنے لگیں گی اور سماج میں اسراف سے پاک شادی کرنے کا ایسا ماحول بن جائے گا کہ پھر اسراف والی شادی مشکل بن جائے گی اور فضول خرچی کرنے کا ارادہ رکھنے والے بھی ایسی شادی کی ہمت مشکل ہی سے کر سکیں گے۔ اسلام کو یہی بات پسند ہے کہ ”جائز اور حلال کو اتنا آسان بنایا جائے کہ ناجائز اور حرام مشکل ہو جائے۔“

ہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں مگر بہت سے سماجی معاملات میں ہم پر غیر مسلموں کے رویے کا اثر چھایا ہوا ہے ہمارے ہاں اکثر لوگ بیواؤں اور طلاق یافتہ خواتین سے شادی کو عیب سمجھتے ہیں جب کہ آپ کا عمل ہمارے سامنے ہے۔

سماجی رہنماؤں اور علماء کرام کو اس اذیت ناک صورتحال کا مؤثر حل ڈھونڈنا چاہئے، اسلام نے مطلقہ خواتین اور بیواؤں کی شادی کی راہ کھلی رکھ کر بدعملی کا دروازہ بند کر دیا ہے، ضرورت مندوں کی مدد کیجئے اور اپنے رشتہ داروں میں سے جو بھی ضرورت مند ہیں ان کی مدد کیجئے اور بے جا رسومات اور فضول خرچی سے خود کو اور دوسروں کو بھی روکئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا: إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا۔ (بنی اسرائیل: 27) ”فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔“

اسراف اور فضول خرچی کر کے اپنے رب کو ناراض کرنا اور شیطان کو خوش کرنا سچے اور مخلص ایمان والے کا طرز عمل نہیں ہوسکتا۔

بقیہ...... سوال وجواب

ذبح کرتے وقت اپنا رخ بھی قبلہ کی طرف رکھے اور جانور کو اس کے بائیں پہلو پر لٹا کر اس کا رخ بھی قبلہ کی طرف کرے اور اپنا دایاں پیر اس کے شانے پر رکھ کر تیز چھری سے تیزی کے ساتھ بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرے، اگر ذبح سے پہلے یہ آیات پڑھ لے تو افضل ہوگا (نہ پڑھ سکے تو کوئی حرج نہیں) اور ”إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَّ مَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ إِنَّ صَلَاتِي وَ نُسُكِي وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَ بِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَ أَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ، اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَ لَكَ“ پھر بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ أَكْبَرُ کہہ کر ذبح کرے اور یہ دعا پڑھے: اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِيبِكَ مُحَمَّدٍ وَّ خَلِيلِكَ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ۔

(بدائع- 4/187 تا 190 ہندیہ- 5/187، شامی- 5/231، مشکوٰۃ عن ابی داؤد و ابن ماجۃ واحمد و الدارمی- 1/128)